یوم پیشوایان مذاہب کے جلسے پر مکرم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب سٹیج پر بیٹھے ہوئے صدارت فرما رہے ہیں۔

The **Ahmadiyya Gazette** and **Annoor** are published by the **Ahmadiyya Movement in Islam,** Inc.
15000 Good Hope Road, Silver Spring, MD 20905. Ph: (301)879-0110
Printed at the Fazl-i-Umar Press and distributed from Chauncey, OH 45719

NON PROFIT ORG.
U.S. POSTAGE
P A I D
CHAUNCEY, OHIO
PERMIT # 1

Ahmadiyya Movement in Islam, Inc.
P. O. Box 226
CHAUNCEY, OH 45719

25900

نئے احمدی احباب حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ امریکہ کی معیت میں
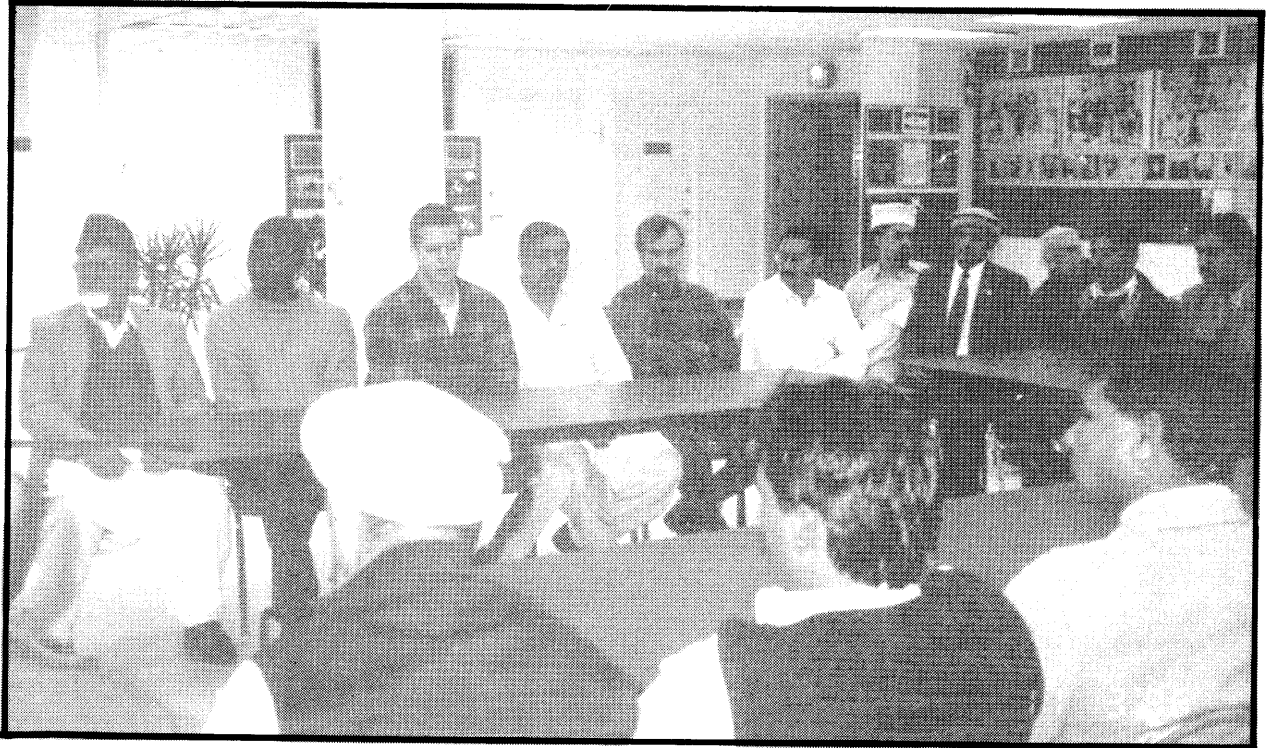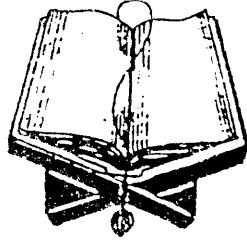
القرآن الحکیم

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا
مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ
قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ

اے اہل کتاب! ہمارا رسول تمھارے پاس آچکا ہے (اور) جو کچھ تم کتاب میں سے چھپاتے تھے وہ اس میں سے بہت (سا حصہ) تم سے بیان کرتا ہے اور بہت سے قصوروں کو بھی معاف کرتا ہے (ہاں) تمھارے لیے اللہ کی طرف سے ایک نور اور ایک روشن کتاب آچکی ہے۔

(المائدہ - آیت ١٦)

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ
فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾
وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ
مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾

اللہ یقیناً اس نبی پر اپنی رحمت نازل کر رہا ہے اور اس کے فرشتے بھی (یقیناً اس کے لیے دعائیں کر رہے ہیں پس) اے مومنو! تم بھی اس نبی پر درود بھیجتے اور ان کے لیے دعائیں کرتے رہا کرو اور (خوب جوش وخروش سے) ان کے لیے سلامتی مانگتے رہا کرو۔
وہ لوگ جو کہ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں اللہ ان کو (اس) دنیا میں اور آخرت میں اپنے قرب سے محروم کر دیتا ہے اور اس نے ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر چھوڑا ہے۔
وہ لوگ جو کہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر اس کے کہ انھوں نے کوئی قصور کیا ہو تکلیف دیتے ہیں ان لوگوں نے خطرناک جھوٹ اور کھلے کھلے گناہ کا بوجھ اپنے اوپر اٹھا لیا ہے۔

(الاحزاب - آیت ۵۷-۵۹)

سردارِ دوجہاں حضرت خاتم النبیین

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

—— عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَأَلْتُ خَالِيْ هِنْدَ بْنَ اَبِيْ هَالَةَ وَكَانَ وَصَّافًا عَنْ حِلْيَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَشْتَهِيْ اَنْ يَّصِفَ لِيْ شَيْئًا اَتَعَلَّقُ بِهٖ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخْمًا مُفَخَّمًا يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهٗ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ اَطْوَلَ مِنَ الْمَرْبُوْعِ وَاَقْصَرَ مِنَ الْمُشَذَّبِ عَظِيْمَ الْهَامَةِ رَجِلَ الشَّعْرِ اِنِ انْفَرَقَتْ عَقِيْقَتُهٗ فَرَقَ وَاِلَّا فَلَا يُجَاوِزُ شَعْرُهٗ شَحْمَةَ اُذُنَيْهِ اِذَا هُوَ وَفَّرَهٗ اَزْهَرَ اللَّوْنِ وَاسِعَ الْجَبِيْنِ اَزَجَّ الْحَوَاجِبِ سَوَابِغَ مِنْ غَيْرِ قَرَنٍ بَيْنَهُمَا عِرْقٌ يُدِرُّهُ الْغَضَبُ اَقْنَى الْعِرْنَيْنِ لَهٗ نُوْرٌ يَعْلُوْهُ يَحْسَبُهٗ مَنْ لَمْ يَتَاَمَّلْهُ اَشَمَّ كَثَّ اللِّحْيَةِ سَهْلَ الْخَدَّيْنِ ضَلِيْعَ الْفَمِ مُفْلَجَ الْاَسْنَانِ دَقِيْقَ الْمَسْرُبَةِ كَاَنَّ عُنُقَهٗ جِيْدُ دُمْيَةٍ فِيْ صَفَاءِ الْفِضَّةِ مُعْتَدِلَ الْخَلْقِ بَادِنٌ مُتَمَاسِكٌ سَوَاءَ الْبَطْنِ وَالصَّدْرِ عَرِيْضَ الصَّدْرِ بَعِيْدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ ضَخْمَ الْكَرَادِيْسِ اَنْوَرَ الْمُتَجَرَّدِ مَوْصُوْلَ مَا بَيْنَ اللَّبَّةِ وَالسُّرَّةِ بِشَعْرٍ يَجْرِيْ كَالْخَطِّ عَارِيَ الثَّدْيَيْنِ وَالْبَطْنِ مِمَّا سِوٰى ذٰلِكَ اَشْعَرَ الذِّرَاعَيْنِ وَالْمَنْكِبَيْنِ وَاَعَالِي الصَّدْرِ طَوِيْلَ الزَّنْدَيْنِ رَحْبَ الرَّاحَةِ شَثْنَ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ سَائِلَ الْاَطْرَافِ اَوْ قَالَ شَائِلَ الْاَطْرَافِ خُمْصَانَ الْاَخْمَصَيْنِ مَسِيْحَ الْقَدَمَيْنِ يَنْبُوْ عَنْهُمَا الْمَاءُ اِذَا زَالَ زَالَ قَلْعًا يَخْطُوْ تَكَفِّيًا وَيَمْشِيْ هَوْنًا ذَرِيْعَ الْمِشْيَةِ اِذَا مَشٰى كَاَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ وَاِذَا الْتَفَتَ اِلْتَفَتَ جَمِيْعًا خَافِضَ الطَّرْفِ نَظَرُهٗ اِلَى الْاَرْضِ اَكْثَرُ مِنْ نَظَرِهٖ اِلَى السَّمَاءِ جُلُّ نَظَرِهِ الْمُلَاحَظَةُ يَسُوْقُ اَصْحَابَهٗ يَبْدَءُ مَنْ لَقِيَ بِالسَّلَامِ۔

(شمائل ترمذی باب فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ پوچھا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کرنے میں بڑے ماہر تھے اور میں چاہتا تھا کہ یہ میرے پاس ایسی باتیں بیان کریں جنہیں میں گرہ میں باندھ لوں۔ چنانچہ ہند نے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بارُعب اور وجیہہ شکل وصورت کے تھے چہرہ مبارک یوں چمکتا تھا گویا چودہویں کا چاند۔ میانہ قد یعنی پستہ قامت سے دراز اور طویل القامت سے کسی قدر چھوٹا۔ سر بڑا۔ بال خم دار اور گھنے جو کانوں کی لَو تک پہنچتے تھے۔ مانگ نمایاں، رنگ کِھلتا ہوا سفید، پیشانی کشادہ، ابرو لمبے باریک اور بھرے ہوئے جو باہم ملے ہوئے نہیں تھے بلکہ درمیان میں سفید سی جگہ نظر آتی تھی جو غصہ کے وقت نمایاں ہو جاتی تھی۔ ناک باریک جس پر نُور جھلکتا تھا جو سرسری دیکھنے والے کو اُٹھی ہوئی نظر آتی تھی۔ ریش مبارک گھنی، رخسار نرم اور ہموار، دہن کشادہ۔ دانت ریخدار اور چمکیلے۔ آنکھوں کے کوئے باریک۔ گردن صراحی دار چاندی کی طرح شفاف جس پر سرخی جھلکتی تھی۔ معتدل الخلق۔ بدن کچھ فربہ لیکن بہت موزوں۔ شکم و سینہ ہموار۔ صدر چوڑا اور فراخ، جوڑ مضبوط اور بھرے ہوئے، جلد چمکتی ہوئی نازک اور ملائم، چھاتی اور پیٹ بالوں سے بالکل صاف سوائے ایک باریک سی دھاری کے جو سینے سے ناف تک چلی گئی تھی۔ کہنیوں تک دونوں ہاتھوں اور کندھوں پر کچھ کچھ بال، پہنچے لمبے، ہتھیلیاں چوڑی اور گوشت سے بھری ہوئی، انگلیاں لمبی اور سڈول، پاؤں کے تلوے قدرے بھرے ہوئے، قدم نرم اور چکنے کہ پانی بھی ان پر سے پھسل جائے جب قدم اٹھاتے تو پوری طرح اُٹھاتے۔ رفتار باوقار لیکن کسی قدر تیز جیسے بلندی سے اتر رہے ہوں جب کسی کی طرف رُخ پھیرتے تو پورا رُخ پھیرتے۔ نظر ہمیشہ نیچی رہتی۔ یوں لگتا جیسے فضا کی نسبت زمین پر آپؐ کی نظر زیادہ پڑتی ہے۔ آپؐ اکثر نیم وا آنکھوں سے دیکھتے۔ اپنے صحابہؓ کے پیچھے پیچھے چلتے اور ان کا خیال رکھتے، ہر ملنے والے کو سلام میں پہل فرماتے

ارشادات حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ

وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گذرا کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہوگئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دُنیا میں یک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہُوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ **ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دُعائیں ہی تھیں جنہوں نے دُنیا میں شور مچا دیا** اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس اُمّی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں اللّٰھم صل وسلم وبارك علیہ وآلہ بعدد ھمہ وغمہ وحزنہ لھٰذہ الامۃ وانزل علیہ انوار رحمتك الی الابد۔ (برکات الدعا - روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۱۱)

ہم جب انصاف کی نظر سے دیکھتے ہیں تو تمام سلسلہ نبوّت میں سے اعلیٰ درجہ کا جوانمرد نبیؐ اور زندہ نبیؐ اور خدا کا اعلیٰ درجہ کا پیارا نبیؐ صرف ایک مرد کو جانتے ہیں یعنی وہی نبیوں کا سردار رسولوں کا فخر تمام مرسلوں کا سرتاج جس کا نام محمد مصطفٰےؐ و احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کے زیر سایہ دس دن چلنے سے وہ روشنی ملتی ہے جو پہلے اس سے ہزار برس تک نہیں مل سکتی تھی (سراج منیر - روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 82)

اے تمام وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو! اور اے تمام وہ انسانی رُوحو جو مشرق اور مغرب میں آباد ہو! مَیں پورے زور کے ساتھ آپ کو اس طرف دعوت کرتا ہوں کہ **اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے** اور سچا خدا بھی وُہی خدا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ اور ہمیشہ کی رُوحانی زندگی والا نبی اور جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفٰےؐ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جسکی رُوحانی زندگی اور پاک جلال کا ہمیں یہ ثبوت ملا ہے کہ اسکی پیروی اور محبت سے ہم رُوح القدس اور خدا کے مکالمہ اور آسمانی نشانوں کے انعام پاتے ہیں۔ (تریاق القلوب - روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۱۴۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰

اداریہ

قارئین کرام ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

سال 1996 اب اختتام پذیر ہو رہا ہے۔ یہ سال جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت برکتوں، رحمتوں اور کامیابیوں کا سال تھا۔ ہم نے اس سال اللہ تعالیٰ کے فضل سے بے پایاں فضلوں کا مشاہدہ کیا۔ جماعت احمدیہ امریکہ کا قدم بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر میدان میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ الحمدللہ ... جلسہ سالانہ یو کے کے موقعہ پر ان بے پایاں فضلوں کا تذکرہ، دل وجان سے پیارے آقا کی زبانی ہم نے سنا۔ اس پر ہم جس قدر بھی اپنے ربّ کریم کا شکریہ ادا کریں کم ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی جائزہ لینا چاہیے کہ انفرادی طور پر ہم نے اس لائحہ عمل پر جو قرآن کریم نے ہمیں دیا ہے کہاں تک عمل کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس میں عبادات، دعوت الی اللہ، خدمت خلق، حسن معاشرت، تقوی اور چندوں کی ادائیگی سرفہرست ہے۔ اگر ان کاموں میں حصہ نہیں لیا گیا تو نئے سال میں داخل ہونے سے پہلے پہلے عزم صمیم ہو کہ ہم اب ایسا کریں گے اور ضرور ایسا کریں گے ... انشاءاللہ و باللہ توفیق۔

دوسرے اِمسال جماعت احمدیہ عالمگیر اور جماعت احمدیہ امریکہ کے چند بزرگ، مخلص بھائی بہن ہم سے جدا ہوئے۔ ڈاکٹر پروفیسر عبدالسلام صاحب نوبل پرائز، جو حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی "تیرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم و معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رُو سے سب کا منہ بند کر دیں گے" (تجلیات الٰہیہ) کو پورا کرنے والے پہلے احمدی ہیں، وفات پا گئے۔ اسی سال اگست کے مہینہ میں ہمارے بہت ہی مخلص اور پیارے بھائی مکرم برادر محمد صادق صاحب آف نیوجرسی کی وفات ہوئی۔ پھر سسٹر مبارکہ آف ملواکی۔ اور سسٹر منیرہ احمد آف سینٹ لوئس اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اور اب 15 نومبر کو ہمارے ایک اور بہت ہی قابل ذکر مخلص بھائی مکرم ڈاکٹر الحاج برادر مظفر احمد ظفر نائب امیر امریکہ اور صدر جماعت احمدیہ ڈیٹن اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

ان سب کی وفات کا ہم سب کو بہت صدمہ ہے لیکن "بلانے والا ہے سب سے پیارا"۔ ہم دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب بھائی بہنوں کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اور ہمیں ہزاروں۔ لاکھوں اور مخلصین عطا کرے اور ان کے پسماندگان کا بھی حافظ و ناصر ہو۔ آمین۔

(ادارہ)

خطبہ جمعہ

یہ زمانہ وہ آگیا ہے کہ جب تبلیغ کے تقاضے ہر دوسرے تقاضے سے بالا ہو گئے ہیں

اب قوموں کی تقدیریں پلٹنے کا زمانہ آگیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم وہ ہیں جن کے ہاتھوں میں قوموں کی تقدیروں کی باگ ڈور تھما دی گئی ہے

خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیرالمومنین حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ ۲۱ جون ۱۹۹۶ء مطابق ۲۱ احسان ۱۳۷۵ ہجری شمسی بمقام بیت السلام، ٹورانٹو (کینیڈا)

(خطبہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمدًا عبده ورسوله. أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم. ﴿بسم الله الرحمٰن الرحيم. الحمد لله رب العٰلمين. الرحمٰن الرحيم. مٰلك يوم الدين. إياك نعبد وإياك نستعين. اهدنا الصراط المستقيم. صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين.﴾

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۵﴾

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۶﴾

فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۸﴾

الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۹﴾

وَ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۲۰﴾

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۱﴾ (سورہ الشعراء آیات ۲۱۴ تا ۲۲۱)

ان آیات کے مضمون سے متعلق کچھ گزارشات کرنے سے پہلے میں یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ آج خداتعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ جماعت احمدیہ کینیڈا کو اپنا بیسواں سالانہ جلسہ منعقد کرنے کی توفیق عطا ہو رہی ہے۔ اور خداتعالیٰ کے فضل کے ساتھ گزشتہ جتنے جلسے ہیں ان میں ہر سال قدم ترقی کی طرف آگے بڑھتا رہا ہے اور ہر سال کوئی نہ کوئی نیا سنگ میل رکھنے کی توفیق ملتی رہی ہے۔ امسال کا جلسہ سالانہ اپنے ساتھ ایک اور قسم کی خوش خبری بھی لایا ہے جس کا تعلق صرف جماعت کینیڈا سے نہیں بلکہ بطور خاص جماعت انگلستان سے بھی ہے اور عموماً تمام دنیا کی جماعتوں سے ہے۔ اب تک اللہ تعالیٰ کے فضل سے ٹیلی ویژن کے ذریعے مرکزی پیغام اور مرکزی جلسے اور مرکزی مجالس تمام دنیا میں دیکھی اور سنی جا سکتی تھیں۔

گزشتہ ایک موقع پر میں نے جماعت سے یہ گزارش کی تھی کہ میں امید رکھتا ہوں کہ وہ دن بھی آئیں گے جب ہم دوطرفہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے۔ پس آج کے مبارک جمعہ سے اس دن کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس وقت انگلستان میں مختلف مراکز میں بیٹھے ہوئے احمدی ہمیں دیکھ رہے ہیں اور ان کی تصاویر یہاں پہنچ رہی ہیں اور بیک وقت ہم ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں مگر جو منتظمین Mix کرنے پر مقرر ہیں ان کو یہ خیال کیوں نہیں آرہا کہ جب میں یہ کہہ رہا ہوں تو وہ بھی دکھادیں جو لوگ وہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اب یہ بھی دکھائے ہیں تو شیخ مبارک احمد صاحب دکھائے ہیں جو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اب سامنے، اب دیکھ لیجئے امام مسجد فضل لندن عطاء المجیب صاحب راشد وہ ہمیں سامنے دکھائی دے رہے ہیں۔ وہ مجھے دیکھ رہے ہیں، میں انہیں دیکھ رہا ہوں۔ ان کے پیچھے جو مختلف احباب جماعت لندن کے کھڑے ہیں وہ بھی ہاتھ ہلا رہے ہیں اور بیک وقت ہم ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں اور مجھے وہ سن رہے ہیں لیکن ان کے دل کی دھڑکنیں مجھے بھی سنائی دے رہی ہیں۔ یہ دراصل ایک عظیم پیش گوئی تھی جو ایک پہلو سے تو بارہا پوری ہو چکی اب ایک نئے پہلو سے بھی پوری ہو رہی ہے۔

حضرت امام صادق سے مروی ہے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بہت بلند فرمائے۔ بہت بڑے بزرگ، بہت پائے کے امام تھے اور عارف باللہ تھے اس میں قطعاً ایک ذرے کا بھی شک نہیں۔ آپ نے فرمایا ہمارے امام القائم کے زمانے میں یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام مہدی معہود کے زمانے میں مشرق میں رہنے والا مومن مغرب میں رہنے والے اپنے دینی بھائی کو دیکھ سکے گا، اسی طرح مغرب میں بیٹھا ہوا مومن اپنے مشرق میں مقیم بھائی کو دیکھ سکے گا۔

جہاں تک دوطرفہ رویت کا تعلق ہے وہ تو بالبداہت درج ہے اور بعینہٖ اسی طرح آج ہو رہا ہے۔ لیکن جہاں تک آواز کا تعلق ہے یہ پیش گوئی نہیں تھی کہ دونوں ایک دوسرے کو سن بھی سکیں گے۔ پس ایک طرف سے تو یہ آواز بھی پہنچ رہی ہے اور تصویر بھی اور دوسری طرف سے تصویریں بھی پہنچ رہی ہیں اور یہ ابھی آغاز ہے۔ آگے انشاء اللہ ایسے دن آئیں گے کہ مشرق و مغرب کی جماعتیں ٹیلی ویژن کے اعلیٰ انتظامات کے ذریعے بیک وقت ایک دوسرے کو دیکھ بھی سکیں گی۔ ایک ایسا عالمی جلسہ ہوگا جس کی کوئی نظیر کبھی دنیا میں پیش نہیں کی جا سکتی، نہ کی جا سکے گی۔ اب بھی اللہ تعالیٰ کے فضل اتنے ہیں اور اتنے برس رہے ہیں کہ بارش کے قطروں کی طرح ان کا شمار ممکن نہیں رہا۔ لیکن اس کے باوجود جو عشق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو اللہ سے تھا اس میں بارش کے قطروں کے ان گنت ہونے سے ذرہ بھر بھی اظہار محبت میں کمی نہیں آتی تھی۔ بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے متعلق یہ پختہ مصدقہ روایت ہے کہ بعض دفعہ بارش ہوتی تو بارش کا پہلا قطرہ اپنی زبان نکال کے زبان پہ لے لیا کرتے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کے گیت گاتے۔ وہ بارش جو بے انتہا ہوتی ہے جس کے قطروں کا شمار ممکن نہیں اس میں پہلے قطرے کو زبان پر لے لینا ایک بے انتہا عشق کا اظہار ہے۔

پس جتنی بھی بارشیں فضلوں کی ہم پر ہوں ہمارا فرض ہے کہ ہر قطرے کو اپنی زبانوں پر، اپنے دل کی زبانوں پر لیں اور حمد کے گیت گاتے رہیں اس سے زیادہ شکر کا اظہار ہمارے لئے ممکن نہیں ہے۔ اور جہاں تک شکر کے اظہار کا اعمال سے تعلق ہے وہ ایک الگ مضمون ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا اظہار تشکر محض زبان سے نہیں ہوا کرتا تھا۔ آپ کی ساری زندگی ایک تشکر کے جذبات میں ڈھل چکی تھی۔ ساری زندگی تشکر کے جذبات میں اس طرح ڈھل چکی تھی کہ شکر اور محمد رسول اللہ کے درمیان کوئی فرق کہیں بھی ممکن نہیں رہا۔ اس پہلو سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے جو پاک نمونے ہمارے سامنے پیش کئے اب بھی ہمارے لئے وہی راہنما ہیں اور ان نمونوں کو دیکھتے ہوئے ہمیں آپ کے قدموں کو چومتے ہوئے، نقش پا کو چومتے ہوئے آگے بڑھنا ہے۔ اس مضمون سے متعلق ایک خطبات کا سلسلہ لندن میں شروع ہوا۔ سلسلہ اس لئے کہ وہ ایک خطبے میں بات ختم نہیں ہو سکتی تھی اور میں نے وعدہ کیا تھا کہ باقی بات میں اگلے خطبے میں بیان کروں گا۔ اگلے خطبے میں بھی مجھے ڈر ہے کہ یہ بات ختم نہیں ہو سکتی کیونکہ مضمون نسبتاً لمبا ہے اس لئے غالباً دو تین یا ہو سکتا ہے چار خطبوں میں یہ مضمون مکمل کرنے کی کوشش کروں۔

یہ مضمون ہے امام اور ان کا جو اطاعت کرتے ہیں، جو مقتدی ہیں، ان کا رابطہ، ان کا تعلق۔ ان کے درمیان کیا وہ اسلوب ہونا چاہئے تعلقات کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے ارشادات اور آپ کی سنت پر مبنی ہو۔ اس پہلو سے جہاں تک ان کا تعلق ہے جن کو خداتعالیٰ نے اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے ان کے متعلق میں نے گزشتہ خطبہ جمعہ میں روشنی ڈالی تھی اور بتایا تھا کہ اطاعت کے مضمون میں کیا

کیا خطرات درپیش ہیں، کیسے کیسے نفس سر اٹھاتا ہے اور خود اپنے خلاف فتوے دیتا چلا جاتا ہے۔ ایسی ہدایت دیتا جاتا ہے جو انسان کو ہلاکت میں ڈالنے والی ہو اور انانیت کا سر جب اٹھتا ہے تو اس کے خطرے سے بچنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ یہ انانیت کا ہی سر ہے جو شیطان کہلاتا ہے اور ہر نفس میں موجود ہے، ہر نفس میں ہمیشہ ہر لحظہ اپنے نفس کو ڈسنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ اس پہلو سے میں نے جماعت کو نصیحت کی تھی کہ اطاعت سے کبھی بھی قدم باہر نہ نکالیں۔ اور اطاعت میں بڑے اور چھوٹے کا کوئی فرق نہیں رہتا کیونکہ اطاعت محض خدا کی خاطر ہوتی ہے اور اللہ کے حکم کے تابع ہی انسان اطاعت پر مجبور فرمایا گیا ہے۔ پس وہ اطاعت جو للہ ہوگی اس میں نہ بڑے کا کوئی فرق رہے گا، نہ چھوٹے کا۔ نہ اعلیٰ نبی کا نہ ادنیٰ نبی کا۔ "لا نفرق بین احد من رسلہ" کا اقرار کرتے ہوئے مطیع جماعت ہمیشہ اطاعت کے رستوں پر آگے قدم بڑھاتی ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ جن کی اطاعت کرنا ہے ان کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔ ان کے بھی تو کچھ فرائض ہیں۔ وہ اگر ان فرائض کو ادا نہیں کریں گے تو ناممکن ہے کہ جماعت حقیقی معنوں میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے مطابق اطاعت کے حق ادا کر سکے۔ اس ضمن میں میں نے وہ آیت کریمہ پیش کی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تو ان لوگوں کے لئے نرم نہ ہوتا، اگر تیرے دل میں ان لوگوں کی محبت اور پیار نہ پیدا ہوتے تو پھر تو ان لوگوں کو کبھی بھی اکٹھا نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اطاعت کے لئے محض امر کافی نہیں ہوا کرتا، اطاعت کے لئے ایک گہرا قلبی تعلق ہے جس پر قائم ہونا ضروری ہے۔ پس میں نے جماعت کو سمجھایا کہ اگر حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی اطاعت کے لئے بھی آپ کی رحمت کو، آپ کی شفقت اور رافت کو موجب اطاعت قرار دیا گیا اور فرمایا کہ اے مومنو! تم میں اپنے ایمان کے لحاظ سے اتنی استطاعت ہی نہیں کہ اطاعت کر سکو۔ تمہاری اطاعت بھی محمد رسول اللہ کی ممنون احسان ہے۔ آپؐ شفقت نہ فرماتے، آپ رحمت کا سلوک نہ فرماتے تو تمہیں اطاعت کی توفیق بھی نہیں مل سکتی تھی۔

اللہ تعالیٰ کے فضل اتنے ہیں اور اتنے برس رہے ہیں کہ بارش کے قطروں کی طرح ان کا شمار ممکن نہیں رہا

یہ وہ مضمون ہے جو ہمیشہ ہمیش کے لئے ہر اس امیر پر اطلاق پاتا ہے جو ملک کا امیر ہو یا صوبے کا یا علاقے کا یا ضلع کا یا شہر کا۔ یا اس کے تابع اور صاحب امر لوگ ہوں جو اپنی امارت کے اختیارات اوپر سے لیتے ہیں۔ ان میں سے چھوٹے سے چھوٹا صاحب امر بھی اسی مضمون کے تابع ہے۔ اور جماعت احمدیہ کے لئے لازم ہے کہ ہر شخص جس کو کوئی امر کا اختیار بخشا گیا ہے وہ اپنے ماتحتوں سے محبت اور شفقت اور رحمت کا سلوک کرے۔ اور جس طرح ان لوگوں کی اطاعت میں اس کی ذات پیش نظر رہتی ہے، اس کے ساتھ اختلافات اس کی اطاعت میں حائل نہیں ہو سکتے اور ما اور تو کا تفرقہ مٹ جاتا ہے، اسی طرح لازم ہے کہ ہر شخص جس کے سپرد کوئی امر فرمایا گیا ہو وہ اپنے ماتحت لوگوں سے قطع نظر اس کے کہ ان سے اس کے پہلے کیسے تعلقات تھے قطع نظر اس کے کہ شریکے کے لحاظ سے یا اور تعلقات کی نسبت سے ان کے درمیان ایک طبعی یکسانیت نہیں پائی جاتی بلکہ ایک قسم کی دوری ہے پھر بھی اللہ کی خاطر لازم ہے کہ وہ ہر ایک سے برابر شفقت کا سلوک کرے اور سب پر اپنی رحمت کے پر جھکائے۔

اس ضمن میں جن آیات کی میں نے تلاوت کی ہے ان میں اس مضمون کو آگے بڑھایا گیا ہے اور اس کے علاوہ چند اور آیات بھی ہیں جن کے حوالے سے میں اس مضمون پر مزید روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ پہلے جو ہے "فلا تدع مع اللہ الٰہا آخر فتکون من المعذبین" ہر بات توحید سے چلتی ہے اور توحید کے سوا مذہب کا کوئی مضمون بھی نہیں جاری ہوتا۔ ہر بلندی کا چشمہ توحید ہے۔ ہر عجز کا چشمہ بھی توحید ہے۔ ان معنوں میں رفعتیں بھی توحید سے وابستہ ہیں اور جو انسان کے نفس کی پستیاں ہیں وہ بھی توحید ہی سے وابستہ ہیں۔ اگر توحید سے تعلق نہ ہو تو رفعتیں بھی ذلتوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اگر توحید سے تعلق نہ ہو تو پستیاں بلندیوں میں تبدیل نہیں ہو سکتیں۔ چنانچہ ہر نماز میں سجدے میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ تم نے اگر للہ سجدہ کیا ہے تو پھر یہ دعا کرو "سبحان ربی الاعلیٰ، سبحان ربی الاعلیٰ، سبحان ربی الاعلیٰ"۔

[اس موقع پر سپیکر کے نظام میں ایک نقص کی طرف توجہ دلائی گئی تو اس پر حضور نے فرمایا:

لندن والے کہتے ہیں کہ مائیکروفون ذرا نیچے کر دیں اور یہ مائیکروفون میں اونچا کر دوں۔ رفعتوں اور پستیوں کا یہ بھی ایک مضمون ہے کوئی چیز نیچے کی جاتی ہے اور کوئی چیز اونچی کی جاتی ہے۔ پھر مضمون کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا]:

اب سبحان ربی الاعلیٰ کا مضمون اس وقت ہے جب انسان کا سر انتہائی پستی کی حالت میں خدا کے حضور جھکا ہوا ہوتا ہے۔ اور اسے یاد دلایا جا رہا ہے کہ تمہاری رفعتیں، تمہاری پستیوں سے وابستہ ہیں کیونکہ تم خدائے واحد کے حضور جھکے ہو جب کہ ہر دوسرے کی غلامی سے تم آزاد کئے جا رہے ہو۔

اور تمام رفعتیں اس پستی میں ہیں جو خدا کی خاطر قبول کی جاتی ہے پس کہو "سبحان ربی الاعلیٰ"۔ پاک ہے میرا رب جو بہت اعلیٰ ہے۔ اور "ربنا" نہیں "ربی الاعلیٰ" فرمایا گیا ہے۔ ہر شخص کا رب اس پر اپنی رفعتوں کے ساتھ اس کی پستیوں کی نسبت سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ جب بھی خدا کا بندہ عجز اختیار کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ ساتویں آسمان تک اٹھا لیتا ہے اور زنجیر کے ذریعے سے لپیٹ کر اوپر لے جایا جاتا ہے۔ اب استدلال کے طور پر ہم اسے غیر احمدیوں کے سامنے جو رفعت کا معنی نہیں سمجھتے یہ پیش کیا کرتے ہیں۔ مگر یہاں اس موقع پر میں کسی بحث کی خاطر نہیں بلکہ ایک عرفان کے نکتے کے طور پر آپ کو سمجھا رہا ہوں۔ تو وہ زنجیر جو اترتی ہے اس سے مراد درجہ بدرجہ انسان کی پستی خدا کے حضور اور درجہ بدرجہ اس پستی کی نسبت سے رفعت ہے۔

ساتویں آسمان سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ ہر شخص جو خدا کے حضور جھکتا ہے اسے سیدھا ساتویں آسمان تک رفعت دی جاتی ہے۔ ساتویں آسمان تک کی رفعت اس کا انتہائی مقام ہے۔ جتنا تذلل اختیار کرے گا اتنا اس کی رفعت کے سامان خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونگے۔ یعنی یہ پستیاں بذات خود رفعتوں میں تبدیل نہیں ہوا کرتیں اس لئے آسمان سے زنجیر اترنے کا ذکر فرمایا۔ یعنی تم تذلل اختیار کرو مگر یہ وہم بھی نہ کرنا کہ تمہارا تذلل ہی تمہیں کچھ عطا کر دے گا۔ تمہارے تذلل کو رفعتوں میں بدلنے کے لئے آسمان سے ایک زنجیر کا اترنا لازم ہے اور وہ اترے گی تو تمہارے تذلل کے متعلق فیصلہ کرے گی کہ کس حد تک اس میں رفعت کی طاقت موجود ہے اور اسی نسبت سے تمہیں اٹھایا جائے گا۔ ساتویں آسمان سے آگے ذکر نہیں ملتا کیونکہ اس سے آگے جانے والا صرف ایک ہی وجود ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم ہیں جن کا خدا کے حضور تذلل اس ہر انتہاء سے آگے بڑھ گیا جس انتہاء کو کبھی کسی انسان کا تذلل پہنچ سکا یا پہنچ سکے گا۔ پس آپ کا جو سلسلہ ہے وہ اس عام قانون سے بالا سلسلہ ہے اور اس سلسلے کا ذکر یہاں مذکور نہیں۔

پس اس پہلو سے یاد رکھیں کہ ہمیں یہ سبق دیا گیا ہے کہ تم جتنا جھکو گے اگر وہ خدا کی خاطر ہوگا، اگر خدا کی خاطر تم نے تذلل اختیار کیا ہے تو بسا اوقات ممکن ہے کہ یہ تذلل کسی انسان کے سامنے دکھائی نہ دے کیونکہ صاحب امر ایک غیر بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی ہوگا ہی غیر کیونکہ خدا تعالیٰ براہ راست تو ہر ایک کو حکم نہیں دیا کرتا۔ مراد یہ ہے کہ الف، ب، ج، د، جو بھی ان کا نام رکھیں جو صاحب امر ہے جس کے سامنے آپ سر جھکا رہے ہیں اس کا وجود ایک دکھائی دے رہا ہے۔ مگر آپ کے لئے یہ ہدایت ہے کہ اس وجود کو نظر سے ہٹا دو کیونکہ تمہارا ہر تذلل للہ ہونا چاہئے اور اپنے رب کی خاطر ہونا چاہئے۔ جب اپنے رب کی خاطر ہو تو کسی غیر کے سامنے جھکنا نشان ذلت نہیں بلکہ نشان عظمت بن جاتا ہے۔ ایک بڑا آدمی ایک چھوٹے کے سامنے جھک رہا ہے محض اس لئے کہ خدا نے اسے اس معاملے میں مامور فرمایا ہے اس لئے اس کا جھکنا ذلت کا نشان نہیں بلکہ رفعت کا نشان بن جاتا ہے۔ اور جس حد تک اس کے نفس کی قربانی اس میں داخل ہوتی ہے اسی قدر وہ رفعتوں سے نوازا جاتا ہے۔

لیکن ایک اور جھکنا بھی ہے جو اپنے غلاموں کے سامنے جھکنا ہے، اپنے غلاموں پر جھکنا ہے۔ اس مضمون کا اس آیت کریمہ میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ "واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین" اے میرے حضور جھکنے والے تو ان پر بھی جھک جو تیرے حضور جھک رہے ہیں اور میری خاطر جھک رہے ہیں اور اپنی رحمت اور شفقت کا پر ان پر جھکا۔ دیکھیں کتنا عظیم مضمون ہے جو اس آیت کریمہ میں ایسی رفعتوں تک اس مضمون کو پہنچا رہا ہے جن تک عام انسان کے تصور کی رسائی ممکن ہی نہیں۔ محض خدا کا کلام ہے۔ سوائے خدا کے کلام کے کوئی کلام اس شان کا کلام نہیں ہو سکتا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو ان پر جھکنے کی تاکید فرمائی جن کی گردنیں ان کے حضور جھکا دی گئی تھیں۔ اس سے پہلے فرماتا ہے "وانذر عشیرتک الاقربین" اپنے قریبیوں کو بھی ڈراؤ۔ اب پیشتر اس کے کہ میں "واخفض" والے مضمون کو دوبارہ اٹھاؤں اور مزید تفصیل بیان کروں میں چاہتا ہوں کہ پہلی آیت کے بعد دوسری آیت کے تعلق کو بیان کر دوں پھر اس کے بعد بات آگے بڑھے گی۔

توحید سے ہر مضمون شروع ہوتا ہے، توحید کے بغیر دنیا میں کوئی بھی سچائی نہیں۔ سب جھوٹ اور بے معنی اور بے حقیقت باتیں ہیں۔ توحید کے نتیجے میں "انذر عشیرتک الاقربین" فرمایا گیا۔ دیکھو تمہارا تعلق اللہ سے ہے۔ اور تمہارے اقرباء، تمہارے قریبی نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ تمہیں فائدہ پہنچا سکتے ہیں اس لئے ان کو ڈراؤ اور ان کو متنبہ کرو اور ہرگز اس بات کا خوف نہ کرو کہ اپنے اقرباء کو بھی ڈرا دھمکا کر اگر تم نے پرے پھینک دیا تو تمہارا کیا بنے گا۔ اب اس مضمون کے حوالے سے پڑھیں کہ اگر تو نرم دل اور رحم دل اور صاحب شفقت نہ ہوتا تو یہ لوگ تجھ سے بھاگ جاتے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ان دو باتوں میں تضاد ہے؟۔ تضاد نہیں بلکہ وہ باریک تقویٰ کی راہیں ہمیں دکھائی جارہی ہیں جن پر ہر صاحب امر کا چلنا ضروری ہے اس کے لئے لازم ہے کہ ان باتوں سے نصیحت پکڑے۔ وہ نرم ہوتا ہے تو دل کی کمزوری کی وجہ سے نرم نہیں ہوتا۔ وہ شفقت کرتا ہے تو اس وجہ سے نہیں کہ یہ لوگ اگر میں شفقت نہیں کروں گا تو مجھے چھوڑ دیں گے اور پھر میں اکیلا رہ جاؤں گا۔

اس لئے یہ وہم دل سے نکال دینا لازم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی شفقت ان کا دل، ویسے محاورے میں تو ہے دلربائی کے لئے تھا یا دل چوری کرنے کے لئے کیونکہ اردو میں تو آنحضرتؐ کے تعلق میں تو یہ محاورہ منہ سے نکلتا نہیں، تو ان کے دل کو اپنے قدموں سے ہمیشہ کے لئے وابستہ کرنے کی خاطر تھا۔ آنحضورؐ کے ذہن میں کسی شفقت کے وقت کبھی بھی یہ پہلو نہیں آیا کہ میں اس لئے شفقت کروں کہ لوگ میرے گرویدہ ہو جائیں، لوگ مجھ سے محبت کرنے لگیں کیونکہ آپؐ کا ہر فعل تو اللہ کی رضا کی خاطر تھا۔ پس اگر اللہ کی خاطر آپ کا ہر فعل تھا تو آپ کی شفقت کا تعلق اپنے غلاموں کے دل جیتنے سے ہو ہی نہیں سکتا۔ پس یہ جو مضمون ہے "انذر عشیرتک" یہ اس تعلق میں آپ سمجھیں تو بات روشن ہو جائے گی کہ ایسا شخص جب خدا کی خاطر ڈراتا ہے تو قطع نظر اس کے کہ اس ڈرانے کا کیا اثر پڑے گا چونکہ رضائے باری تعالیٰ اس کے پیش نظر ہے اس لئے وہ بے خوف ہو کے ڈرائے گا۔ ورنہ جو صاحب خوف ہے وہ ڈرا بھی نہیں سکتا اور ایسی بہت سی مثالیں ہمارے سامنے آتی ہیں کہ ایک شخص دنیا کے ڈر کے مارے انذار بھی نہیں کر سکتا۔ وہ کہتا ہے اگر میں نے انذار کیا تو یہ لوگ مجھے ماریں گے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا انذار توحید سے پھوٹا تھا اس لئے پہلے توحید کا ذکر فرمایا۔ پھر فرمایا اپنے جتنے تیرے قریبی ہیں ان سب کو ڈرا دے اور جب ڈرایا تو سارے بدک کے بھاگ گئے۔

اب بتائیں یہ کیسا حیرت انگیز مضمون ہے۔ لیکن اس کے ساتھ فرمایا ہاں جو اس کے باوجود تجھ پر ایمان لے آئیں اور تیرے قریب آئیں۔ "واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین" تو جو بھی ان میں سے تجھ پر ایمان لائیں اور تیری پیروی کریں تو ان پر جھک جا یعنی تیرے دل میں کوئی سختی نہیں ہے۔ تو ڈراتا ہے تو ان لوگوں کی خاطر ڈراتا ہے۔ ڈراتا ہے تو رضائے باری تعالیٰ کی وجہ سے ڈراتا ہے۔ پس جب وہ تجھے قبول کر لیں تو پھر رحمت کے پر ان پر جھکا دے لیکن اس وجہ سے نہیں پھر کہ مومن ہیں، مان گئے ہیں اب یہ نہ کہیں ہاتھ سے نکل جائیں۔ باقیوں کو تو ڈرا دھمکا کے دور کر دیا اب یہ جو قریب آئے ہیں یہ نہ کہیں جاتے رہیں۔ فرمایا ہرگز یہ بات نہیں۔ "فان عصوک فقل انی بری ء مما تعملون" اگر یہ سب تیری نافرمانی کریں تو کہہ دے میں اس سے بری الذمہ ہوں جو تم کرتے ہو۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تمہاری ذات سے میرا تعلق نہیں ہے۔ ان اعمال سے میرا تعلق ہے جو خدا کی خاطر تم بجالا رہے ہو۔ وہ اعمال نہیں ہونگے تو تم میری رحمت کے حق دار نہیں رہو گے. میری شفقت کے حق دار نہیں رہو گے۔

> **اطاعت کے لئے محض امر کافی نہیں ہوا کرتا۔ اطاعت کے لئے ایک گہرا قلبی تعلق ہے جس پر قائم ہونا ضروری ہے**

پس یہ وہ مضمون ہے جو ہر صاحب امر کے لئے سمجھنا ضروری ہے وہ جب کسی سے پیار کرتا ہے اپنے ماتحتوں پر جھکتا ہے تو اس کے ذہن کے کسی گوشے میں بھی نہیں آنا چاہئے کہ میں ان پر اس لئے جھک رہا ہوں کہ یہ میری تائید کرنے والے لوگ ہیں۔ اس لئے جھک رہا ہوں کہ یہ میرا عشیرہ ہے، میرے اقربین ہیں کیونکہ اقربین سے تو بات شروع ہوئی تھی۔ فرمایا ان کو تو ڈرا دے تو مانیں گے حق پر چلیں گے حق پر قائم رہیں گے تو پھر تیری رحمت ان پر ہوگی ورنہ تیرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ پس وہ امیر جو اس وجہ سے بعض لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں کہ وہ ان کے زیادہ قریب ہیں ان کے حق میں باتیں کرنے والے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ جو بھی میں کہوں گا اس کی تائید میں اٹھ کھڑے ہونگے وہ جانتے نہیں کہ توحید کے مضمون کے یہ بات خلاف ہے۔ اور جو بات بھی توحید کے برخلاف ہو وہ خدا تعالیٰ کے نظام میں کہیں بھی کوئی مقام نہیں رکھتی۔ وہ نظام اللہ نے ہمیں عطا فرمایا ہے اس میں ہر پہلو کا توحید سے تعلق ہے۔ پس باریک راہیں ہیں مگر ان باریک راہوں کو اختیار کرنا ضروری ہے کیونکہ جماعت کے تقویٰ کی زندگی ان راہوں سے وابستہ ہو چکی ہے۔ ان راہوں کو چھوڑ دیں گے تو آپ بھی کبھی نیک انجام نہیں ہو سکتے، آپ کے مستقبل کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔

پس ہر امیر کے لئے ان آیات سے میں نتیجہ اخذ کرتے ہوئے کہتا ہوں لازم ہے کہ جھکے اور رحمت کے ساتھ سب لوگوں سے انکساری کے ساتھ، عجز کے ساتھ تعلق قائم کرے۔ اپنے مرتبے کا خیال نہ کرے۔ اس کا مرتبہ بڑا ہے تو محض اس لئے کہ خدا نے اسے ایک مقام پر فائز کیا ہے۔ مگر جس مقام پر فائز کیا ہے اس مقام کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خود نیچے اتر آئے۔ اب یہ خود نیچے اترنے والا مضمون ہے۔ یہ "واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین" سے نکلتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی سیرت ان پر خوب روشنی ڈال رہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے متعلق روایات اور کثرت سے روایات بتاتی ہیں کہ آپ مومنوں کے لئے ایسی شفقت رکھتے تھے اور ایسے منکسر المزاج تھے کہ اگر رستہ چلتے کسی عورت نے بھی آواز دی تو کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ پوری توجہ سے اس کی بات سنتے تھے۔ ایک غلام اور ایک بے حیثیت آدمی کبھی آپ کو مدد کے لئے کہتا تھا تو اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑا کرتے تھے۔ ایک یتیم بچہ کبھی آپ کو بلاتا تھا تو آپ اس کے ساتھ روانہ ہو جایا کرتے تھے۔ حیرت انگیز وجود تھا جس کی نہ رفعتیں ہماری پہنچ میں ہیں نہ اس کی خدا کے حضور پستیاں ہماری پہنچ میں ہیں۔ دونوں طرف کے کنارے ہماری عقل کے دائرے سے باہر ہیں۔ لیکن وہ ایسا ہی تھا جس کو خدا نے ساتویں آسمان سے بھی بلند کر دیا۔ جب وہ جھکا تو ان لوگوں پر جھک گیا جو پستیوں کی انتہا تک پہنچے ہوئے تھے۔ مومنوں پر بھی جھکا اور غیروں پر بھی جھکا۔ لیکن مومنوں کے متعلق تو اس کے دل کی کیفیت ہی اور تھی۔ یہ وہ حقیقت ہے جو مصطفوی حقیقت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی تعلیم کی جان ہے۔

پس اس پہلو سے ہر امیر کا کام ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں سے نرمی اور محبت اور عجز کا سلوک کرے اور ان کی خاطر نہیں بلکہ محض اللہ کی خاطر۔ ان کی خاطر تو کرے گا مگر ان کی خاطر خدا کی خاطر۔ اب یہ ایک اور سلسلہ بیچ میں داخل ہو جاتا ہے۔ بندوں سے پیار ہے بندوں کی خاطر مگر بندوں سے بندوں کی خاطر جو پیار ہے اس کا آغاز اللہ کے پیار سے ہوا۔ اور یہ وہ مضمون ہے جسے قرآن کریم کی ایک اور آیت بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرما رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ" کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم عظیم الشان وجود ہیں "دنیٰ" وہ خدا کی طرف بڑھا اور اتنا قریب ہو گیا کہ اس سے زیادہ قرب الٰہی ممکن نہیں رہا۔ اتنے قرب کے باوجود وہ وہاں ٹھہر نہیں گیا۔ "فتدلیٰ" پھر وہ نیچے اترا اور بنی نوع انسان اس قرب، اس عظیم ذات کے لئے بلانے کے لئے نیچے اترا۔ وہ عظمتیں اور رفعتیں جو اس نے اپنے رب سے حاصل کیں اپنے تک محدود نہیں رکھیں بلکہ اس کی خاطر اس کے بندوں میں تقسیم کرنے کے لئے وہ رحمتیں بانٹنے کے لئے نیچے اترا اور اس کی مثال ایسی ہو گئی "کان قاب قوسین او ادنیٰ" جیسے دو قوسین ہوں یعنی کمانیں جن کا ایک ہی وتر ہو، ان کے درمیان ایک ہی تنی ہو۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کمانیں کس شکل کی ہو سکتی ہیں؟ عام طور پر اس کی جو شکل بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک طرف کمان نیچے سے آرہی ہے اوپر کی طرف، ایک اوپر سے کمان اتری ہے اللہ کی محبت کی اور بیچ میں ایک ہی وتر ہے۔ وہ تنی ایک ہی ہے۔ یہ مضمون بھی بہت باریک اور لطیف ہے لیکن میں جو سمجھتا ہوں وہ اس سے مختلف ہے۔ اس کو غلط نہیں سمجھتا کیونکہ قرآن کریم کے بہت سے بطون ہیں۔ مگر میرے نزدیک ان دونوں کمانوں کا رخ ایک ہی طرف ہے۔ یعنی ان کا جو بیچ کا دھاگہ یا تنی ہے اس سے ایک کمان محمدؐ رسول اللہ کی کمان اور ایک خدا کی کمان ہے وہ اس طرح ایک سمت میں ہیں کہ ناممکن ہے کہ محمدؐ رسول اللہ کی کمان چلے اور خدا کی کمان میں حرکت نہ آئے۔ ناممکن ہے کہ اللہ کی کمان کو کھینچا جائے اور وہ نچلی کمان اس کے ساتھ حرکت میں نہ آئے کیونکہ دونوں کا ایک ایسا گہرا اٹوٹ رشتہ قائم ہو چکا ہے کہ جب ایک کو کھینچا جائے دوسری کھینچ جاتی ہے جب دوسری کو کھینچا جائے تو پہلی کھنچ جاتی ہے اور اس تنی سے جو تیر نکلتا ہے وہ بیک وقت محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے نکلا ہوا تیر بھی ہوتا ہے اور اللہ کی طرف سے نکلا ہوا تیر بھی ہوتا ہے۔

اس تفسیر کی تائید کرنے والی میرے نزدیک وہ آیت کریمہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وما

رمیت از رمیت ولکن اللہ رمیٰ" اگر کمانوں کو برعکس سمت میں رکھا جائے تو وہ دونوں کا چلایا ہوا تیر ایک دوسرے کی طرف جائے گا۔ اگر تیر چلانے کا مضمون اس سے نکالا جائے تو سوائے اس کے ممکن ہی نہیں کہ جو نقشہ میں نے ذہن میں رکھا اور آپکے سامنے پیش کیا اسے قرآن کریم کی اس آیت کی تائید میں سمجھا جائے تو بات یہ بنے گی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی کمان سے چلا ہوا ہر تیر اللہ کی کمان سے چلا ہوا تیر تھا۔ اللہ کی کمان سے جو تیر چلتا تھا محمدؐ رسول اللہ کی وساطت سے چلتا تھا۔ پس اس پہلو سے "دنیٰ فتدلیٰ" کا مضمون یہ بنا کہ اتنا وہ قریب ہو گیا کہ جس سے زیادہ ممکن نہیں تھا اور "تدلیٰ" پھر وہ جھک گیا اور اس جھکنے کے نتیجے میں وہ "قاب قوسین" ہو گیا۔ اب "قوسین" کا مضمون یہاں ایک اور معنے اختیار کر جاتا ہے۔ فرماتا ہے انسانیت کے ساتھ اس کا تعلق اس کے جھکنے کے نتیجے میں خدا کے تعلق کے ساتھ ایسا مدغم ہو گیا کہ ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی بشریت نور ہو گئی، اس کا نور بشریت بن گیا۔ پس اس پہلو سے وہ بندوں پر جب جھکا ہے تو خدا کا نور بن کر اپنے ہم جنسوں پر تو جھک گیا اور اس کی بشریت نے وہ علاقہ قائم کر دیا۔ جیسے ایک تنی دو کمانوں کے درمیان علاقہ بن جاتی ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا بنی نوع انسان پر جھکنا ان کی خاطر تھا مگر خدا کی خاطر ان کی خاطر ہوا۔ یہ وہ مشکل فقرہ جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیا اس کی تشریح ہے۔ ورنہ بندے کی خاطر بھی ایک انسان رحمت کا سلوک کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نبوت سے پہلے ذاتی شفقت سے لوگوں پر اسی طرح جھکا کرتے تھے۔ مگر جب "نور علیٰ نور" ہوئے تب کیفیت بدل گئی۔ اس کے بعد ہر رافت، ہر شفقت، ہر رحمت خدا کے تعلق سے اوپر سے اترا کرتی تھی۔ اور بنی نوع انسان سے آپ کی محبت کو الٰہی محبت کی تائید حاصل ہو گئی۔ اور آپ کی الٰہی محبت بنی نوع انسان کی محبت میں تبدیل ہونے لگی۔ یہ وہ پہلو ہے جو امارت کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے قرآن کریم نے ہمارے سامنے رکھا ہے اور اسی پہلو کو ہر صاحب امر کو سمجھنا ضروری ہے۔

جماعت احمدیہ کے لئے لازم ہے کہ ہر وہ شخص جس کو کوئی امر کا اختیار بخشا گیا ہے وہ اپنے ماتحتوں سے محبت اور شفقت اور رحمت کا سلوک کرے

میں جب امیر کہتا ہوں تو ہرگز مراد یہ نہیں کہ محض وہ امیر جو ملکوں یا شہروں یا محلوں کے بنائے جاتے ہیں۔ امیر سے مراد ہر وہ شخص جسے کچھ بھی امر سونپا جائے اور خدا کی خاطر سونپا جائے اور خدا کے نام پر سونپا جائے۔ اس کی تربیت کے لئے یہ مضامین ہیں جو قرآن کریم نے ہم پر کھولے ہیں۔ فرمایا کہ تم امیر ہو مگر اب یاد رکھنا کہ اللہ کی خاطر جس طرح محمدؐ رسول اللہ ان پر جھک گئے تھے جن کے سر خدا کی خاطر ان کے سامنے جھکائے گئے تھے تم بھی ان پر جھک جانا اور ان کی خاطر نہیں، للہ۔ کیونکہ اگر ان کی خاطر جھکو گے تو تمہارے اندر شرک کے شائبہ داخل ہو جائیں گے۔ شرک کے خطرات تمہیں ہو سکتا ہے واقعۃً ہلاک کر دیں کیونکہ جب بھی انسان کسی سے رحمت کا تعلق رکھتا ہے یہ خطرہ موجود رہتا ہے کہ اس کے نتیجے میں جو پیار اور محبت کا سلوک اس سے کیا جاتا ہے وہ ان دونوں کو ایسے رشتوں میں باندھ دے کہ خدا کا مضمون بیچ میں سے غائب ہو جائے۔ اسی لئے قرآن کریم نے ہمیں خوب اچھی طرح وضاحت کے ساتھ یاد کرایا۔ میرے وہ بندے جو میری خاطر بنی نوع انسان کی خدمت کرتے ہیں اور ان سے محبت کا سلوک کرتے ہیں، جب ان کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں "لا نرید منکم جزاء ولا شکوراً" کہ کیا کر رہے ہو ہم تو خدا کی خاطر تم سے پیار کر رہے تھے تم شکریہ ادا کر کے ہمارے پیار کو کیوں میلا کرتے ہو۔ ہمیں تم سے کسی خیر کی توقع نہیں۔ یعنی توقع سے مراد یہ ہے کہ چاہتے نہیں ہیں کہ تم ہم سے کوئی سلوک کرو، ہماری نیکی محض اس کی خاطر تھی جس کی ہماری نیکی پر نظر ہے۔ اسی سے ہم پیار چاہتے ہیں۔ اسی کی رضا تلاش کرتے ہیں۔ پس شکریہ ادا کر کے ہماری نیکی کو میلا نہ کر دینا۔

اور پھر قرآن کریم نے اسی مضمون کو ایک دوسری جگہ یوں فرمایا "لا تمنن تستکثر" تو اس وجہ سے کسی پر احسان نہ کر کہ اس کے بدلے میں تجھے زیادہ دیا جائے گا۔ پس نہ ان کی نیت میں کچھ زیادہ لینا شامل ہوتا ہے نہ ان کی نیت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ خدا کی رضا کی بجائے کسی اور خاطر ان پر جھکیں۔ اور جب کلیۃً خدا کی خاطر جھکتے ہیں تو ان کا احسان، ان کا شکریہ، ان کا تشکر بجائے دل کو ایک غذا دینے کے دل کے اندر ایک قسم کا ایک زلزلہ طاری کر دیتا ہے کہ یہ کیا ہو گیا۔ ہم تو بہت بالا قیمت چاہ رہے تھے۔ ہم نے تو اپنے اللہ کی خاطر یہ کیا تھا۔ ان کے شکریے کہیں ہمارے نفس کو موٹا نہ کر دیں۔ تو واقعتاً ان کے دل پر ایک زلزلے کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور وہ گھبراتے ہیں اور لازم نہیں کہ وہ اس بات کو ظاہر کریں۔ مگر قرآن کریم نے ان کی زبان سے ظاہر کیا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی اس سوسائٹی میں ہمیشہ یہ نہیں ہوا کرتا تھا کہ ہر وہ شخص جس کا شکریہ ادا کیا جائے وہ آگے سے انہی الفاظ میں جواب دیا کرتا تھا۔ بعض باتیں ایسی ہیں جو صحابہ کے دل میں وارد ہوتی تھیں اور اللہ کے پیار کی نظر ان پر پڑتی تھی اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم پر روشن کر دیا کرتا تھا کہ اے میرے پاک غلام، غلام کامل تو نے آگے بھی دیکھو کیسے کیسے پیارے غلام پیدا کر دئے ہیں۔ تیرے ہی رنگ میں رنگین ہیں۔ ان کا شکریہ ادا کیا جائے تو ان کا دل آوازیں دیتا ہے کہ نہ نہ ہمارا شکریہ ادا نہ کرو ہم تو محض خدا کی خاطر ایسا کرتے تھے۔

پس اگر وہ خدا کی خاطر ہی یعنی ہر صاحب امر خدا کی خاطر اپنے ماتحتوں سے پیار اور محبت کا سلوک کرتا ہے تو ان کے شکریے کی نہ تو اسے توقع ہوتی ہے اور نہ اسے پرواہ ہوتی ہے۔ جب توقع نہیں تو اس کے برعکس پہلو بھی ہے اور وہ بے پرواہ بھی کوئی نہیں۔ اس لئے کہ اگر جب ذاتی تعلق ان سے نہیں تھا جس کی خاطر ان پر رحمت کی جارہی تھی تو اللہ سے اگر وہ دور ہٹیں گے تو یہ شفقت کرنے والا اسی حد تک ان سے دور ہٹ جائے گا اور ان کی اس بارے میں کچھ بھی پرواہ نہیں کرے گا کہ وہ اس سے کیسا پیار کا تعلق رکھتے تھے۔ بے انتہا محبت اور فدائیت کا اظہار کرنے والے بھی جب ایسی روش اختیار کرتے ہیں کہ جس سے خدا ناراض ہو تو جن کو پیار دیا جاتا ہے ان کو اس بات کی کوڑی کی بھی پرواہ نہیں رہتی کہ یہ تو مجھ سے محبت کرنے والا تھا۔ وہ اسی طرح جیسا کہ خدا کی آنکھ انہیں دیکھتی ہے انہیں ناراضگی سے دیکھتا ہے اور ان کے چھوڑ کر چلے جانے کی ادنیٰ بھی پرواہ نہیں کرتا۔ پس توحید کا یہ مضمون بالآخر توکل پر منتج ہو جاتا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم اس کے بعد فرماتا ہے "فان عصوک فقل انی بریء مما تعملون" تمہیں کیوں وہم ہو گیا ہے کہ میں تم پر رحمت سے جھکا ہوا تھا اس لئے کہ تم مجھے ذاتی طور پر پیارے لگتے ہو۔ وہ تو اللہ کی خاطر تھا۔ اگر تم خدا کی نافرمانی کرو گے یہاں "عصوک" میں محمدؐ رسول اللہ پیش نظر ہیں۔ لیکن آپ کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔ اس کے سوا کوئی اور نافرمانی ممکن ہی نہیں کہ انسان حضرت محمدؐ رسول اللہ سے نافرمانی کرے اور وہ آپ کی نافرمانی ہو، خدا کی نہ ہو۔ اس مضمون کو قرآن بھی کھول چکا ہے بار بار، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم خود بھی اس مضمون کو کھول چکے ہیں۔ اس لئے اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں، مزید دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک مسلمہ غیر مبدل حقیقت ہے کہ حضرت محمدؐ رسول اللہ کی نافرمانی لازماً خدا کی نافرمانی ہے اور اس کے سوا اس نافرمانی کو کوئی اور معنے نہیں پہنائے جا سکتے۔ "فان عصوک" میں اس لئے مخاطب "تجھے" کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو مخاطب کیا گیا ہے کہ آپ لوگوں پر جھک رہے تھے، آپ لوگوں سے رحمت کا سلوک فرما رہے تھے، یہ گواہی دینا مقصود ہے کہ محمدؐ رسول اللہ کی رأفت، آپ کی شفقت اللہ کی خاطر تھی، ان کی خاطر نہیں تھی۔ فرمایا پس جب یہ تیری نافرمانی کریں تو ان کی پہلی اطاعتوں کی، ان سے پہلے تعاون کی کچھ بھی پرواہ نہ کر۔ تو کہہ دے میں تم سے بیزار ہوں۔ تم یہ جو حرکتیں کر رہے ہو یہ میرے محبوب آقا کی مرضی کے خلاف ہیں اس لئے تم بھی میری مرضی کے خلاف ہو گئے ہو۔ اگر ایسا کرو گے تو ان کے چھوڑ کر جانے کا تمہیں کوئی بھی غم نہیں ہونا چاہئے۔ "وتوکل علی العزیز الرحیم" جب تو یہ کرے تو یاد رکھ اللہ جو عزیز ہے، اللہ جو رحیم ہے جو غالب اور بزرگی والا ہے، جو بار بار رحم فرمانے والا ہے اس پر توکل رکھ۔ وہ تجھے کبھی نہیں چھوڑے گا۔ کیونکہ جس کے سفر کا آغاز توحید سے ہوا، جس کا بنی نوع انسان سے تعلقات کا آغاز اس طرح ہوا کہ خدا کی خاطر لوگوں کو ڈرا دھمکا کر دور کر دیا، جو قریب آئے ان کو بھی جب بھی وہ خدا سے دور ہوئے اپنی ذات سے دور کر دیا جب یہ سلوک ہو تو پھر توکل علی اللہ کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔ اس کے سوا کوئی نتیجہ نکل ہی نہیں سکتا۔

پس ہر وہ صاحب امر جو اس اسلوب پر چل پڑے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی اس سنت کو اپنا لے اسے کوئی بھی خطرہ نہیں۔ وہ جب سزا دے گا تو خدا کی خاطر دے گا، جب تعلق بڑھائے گا تو خدا کی خاطر بڑھائے گا اور ان لوگوں کا اس تعلق کی پرواہ کرنا یا نہ کرنا اس کی نظر میں کوئی بھی حقیقت نہیں رکھے گا۔ اور یہ وہ امارت ہے جو غیر متزلزل ہے کیونکہ اسے کلیۃً اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہوگی۔ اور جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ اس امارت کا تعلق ایک چھوٹے سے، معمولی افسر کے حکم سے بھی ہے جو کسی خاص معین کام پر مامور کیا گیا ہے۔ اگر اس کی نافرمانی کرو گے تو یاد رکھو یہ سلسلہ آخر خدا تک پہنچے گا۔ اگر اس

کی اطاعت کروگے تو پھر بھی یاد رکھو یہ سلسلہ آخر خدا تک پہنچے گا۔ اور جہاں تک اس شخص کی ذات کا تعلق ہے اسے سمجھنا چاہئے کہ بڑے بڑے لوگ جو میرے سامنے جھک رہے ہیں اس میں میری تو کوئی بڑائی نہیں، میری تو کوئی بھی حیثیت نہیں، خدا کی خاطر میری طرف جھک رہے ہیں۔ پس اسے مزید خدا کے حضور جھکنا چاہئے۔ اور پھر نافرمانی کی کوئی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔

دنیا کی مثالوں میں اس کی وہ مثال ہے جو حضرت مصلح موعودؓ بارہا پیش کیا کرتے تھے اور میں بھی کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں۔ لیکن وہ مثال ہی ایسی عظیم ہے اور اس موقع پر ایسے چسپاں ہوتی ہے کہ بے اختیار اسے بار بار پیش کرنے کو دل چاہتا ہے۔ زار جب صاحب سطوت تھا، جب اس کا رعب بہت کثرت سے وسیع ممالک پر طاری تھا یہاں تک کہ سلطنت برطانیہ کے بعد اگر کوئی حقیقت میں سلطنت کہلاتی تھی تو وہ زار روس کی سلطنت تھی۔ اس کے زمانہ میں ایک دفعہ زار کسی بہت ہی اہم کام میں مصروف ہوا اور اس نے اپنے اردلی کو یا فوجی سپاہی کو بلا کر یہ تاکید کی کہ کسی کو بھی تم نے میرے کمرے میں نہیں آنے دینا خواہ کوئی بھی ہو کیونکہ میں اتنا مصروف ہوں کہ میں اس وقت کسی قسم کی دخل اندازی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس نے کہا درست۔ اور یہ کہہ کر، یہ بات سن کر وہ باہر دروازے کی حفاظت پر مامور ہو گیا۔ اب خدا تعالیٰ نے دیکھیں کیسے اس کی اطاعت کو عظیم نعمت کے، رحمت کے پھل لگائے، ایسی عظیم جزاء کے پھل لگائے اور ہمارے سامنے کیسا عظیم نمونہ اطاعت کے مضمون کا رکھ دیا اور اس کی گہرائی کو سمجھانے کے لئے یہ واقعہ آج مذہبی دنیا میں بھی بار بار دہرایا جا رہا ہے۔

ہر امیر کا کام ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں سے نرمی اور محبت اور عجز کا سلوک کرے اور ان کی خاطر نہیں بلکہ محض اللہ کی خاطر

بادشاہ کے یہ کہنے کے بعد جب وہ مصروف ہو گیا کام میں، تو بادشاہ کا ایک بیٹا، ایک شہزادہ، وہ اپنے باپ سے ملنے آیا تو وہ معمولی حیثیت کا سپاہی سامنے سینہ تان کے کھڑا ہو گیا کہ شہزادے آپ کو اندر جانے کی اجازت نہیں۔ اس کا تو غصے سے پارہ چڑھ گیا۔ اس نے کہا تم کون ہوتے ہو، تمہاری حیثیت کیا ہے۔ میں اپنے باپ سے ملنے جا رہا ہوں۔ اس نے کہا آپ کے باپ ہوں یا نہ ہوں، اس سے بحث نہیں۔ مجھے حکم ہے کہ کسی شخص کو میں اندر نہ جانے دوں پس میں آپ کو اندر نہیں جانے دوں گا۔ اس پر وہ شہزادہ آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے اپنا کوڑا نکالا اور اس پر برسانا شروع کیا یہاں تک کہ کوڑے مار مار کے اسے ادھ مؤا کر دیا۔ اس نے ہاتھ نہیں اٹھایا مگر اسی طرح چھاتی تانے سامنے کھڑا رہا۔ اس نے کہا شہزادے آپ مارنا ہے جتنا چاہے مار لیں مگر میں بادشاہ کی حکم عدولی نہیں کروں گا میں تمہیں نہیں جانے دوں گا۔ جب یہ شور سنا اور کوڑوں کے برسنے کی آواز اندر گئی تو بادشاہ باہر نکلا۔ اس نے کہا یہ کیا ہو رہا ہے۔ شہزادے نے کہا اے میرے باپ اس نے میری گستاخی کی ہے بہت بے ادبی کا سلوک کیا ہے۔ کیا ہوا؟ میں اندر آنا چاہتا تھا آپ سے ملنے کے لئے اور اس کمترین انسان کو دیکھیں میرے سامنے کھڑا ہو گیا کہ میں تمہیں اندر نہیں جانے دوں گا۔ بادشاہ جان کے بھولا بنا اور اس سپاہی سے پوچھا کہ بتاؤ یہ کیا بات ہے کیوں تم اس کو اندر نہیں آنے دیتے تھے۔ اس نے کہا بادشاہ سلامت آپ کا حکم تھا۔ آپ کے حکم کی اطاعت کی خاطر میں نے یہ سب قربانی دی ہے۔ بادشاہ نے کہا اچھا یہ بات ہے، تو نے اسے بتایا تھا۔ اس نے کہا ہاں میں نے بتایا تھا۔ اس نے بیٹے سے کہا جب تم نے سنا تھا کہ بادشاہ کا حکم ہے تو تم نے کیوں نافرمانی کی۔ اس نے سپاہی کو نام لے کر مخاطب کیا اور کہا یہ کوڑا اٹھا اور اس بیٹے کو اسی کوڑے سے اسی طرح مار جس سے اس نے تجھے مارا تھا۔ اس پر شہزادے کی غیرت بھڑکی اور روس کا قانون اس کی مدد کے لئے آیا۔ اور اس نے بادشاہ سے عرض کیا کہ بادشاہ سلامت یہ ملک روس کا قانون ہے کہ کوئی غیر افسر سپاہی اپنے افسر کو مار نہیں سکتا، جب کہ میں فوج میں ایک بڑا افسر ہوں اور یہ شخص ایک عام سپاہی ہے۔ اس لئے آپ کا قانون اس حکم کی، جو آپ نے حکم دیا ہے اس کی راہ میں حائل ہو رہا ہے۔ بادشاہ نے کہا ہاں قانون نہیں ٹوٹے گا۔ سپاہی کو مخاطب کر کے اسے فوج کا ایک بڑا رتبہ عطا کرتے ہوئے کہا۔ اے جرنیل یا اے کرنیل جو بھی تھا اس سانٹے کو اٹھا اور میرے بیٹے کو مار۔ اس پر شہزادے کو ایک اور قانون یاد آ گیا۔ اس نے بادشاہ سے کہا بادشاہ سلامت ایک یہ بھی قانون ہے کہ کوئی غیر شہزادہ کسی شہزادے کو نہیں مار سکتا۔ بادشاہ نے کہا ہاں اس قانون کا بھی احترام کیا جائے گا۔ اس نے کہا اے شہزادے! فلاں سانٹا اٹھا اور میرے بیٹے کو مار۔ چنانچہ اپنے سامنے اس نے اس بیٹے کو سانٹے لگوائے کیونکہ اطاعت کی عظمت کو وہ سمجھتا تھا اور اطاعت کی خاطر قربانی دینے والوں کی حفاظت کے لئے وہ کھڑا تھا۔

تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اللہ اس بادشاہ سے بھی کم اپنے غلاموں کی غیرت رکھتا ہے۔ خدا کی قسم خدا کے نام پر، اس کی اطاعت کی خاطر اپنی چھاتیاں تان دیں اور خدا کی خاطر اگر آپ کسی سے ناراض ہونگے یا کسی کی ناراضگی مول لیں گے تو ایک کوڑی کی بھی پرواہ نہ کریں۔ جو سانٹے آپ پر برسائے جائیں گے آسمان سے وہی سانٹے اس شخص پر برسائے جائیں گے جو محض اس لئے آپ کا دشمن ہوا ہے کہ آپ نے اطاعت کی خاطر اس سے دشمنی مول لے لی۔ ایسی الٰہی جماعت کو دنیا کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔ دنیا کے بادشاہوں کی تو کوئی حیثیت نہیں۔ آج مرے اور کل دوسرا دن۔ لیکن اللہ کی بادشاہت تو دائمی ہے۔ اس سلطنت میں کبھی کوئی زوال نہیں آ سکتا۔ پس وہ امراء جو محبت سے جھکتے ہیں تو خدا کی خاطر جھکتے ہیں وہ امراء جو ناراض ہوتے ہیں اور ناراضگی مول لیتے ہیں تو ان پر بڑی بڑی طعن کی زبانیں دراز کی جاتی ہیں، ان کے خلاف اڈے بنائے جاتے ہیں محض اس لئے کہ انہوں نے رضائے باری تعالیٰ کی خاطر ایک کڑوا فیصلہ کیا ہے ان کو ان نافرمانیوں کی بھی، ان بدتمیزیوں کی بھی کوئی پرواہ نہیں ہونی چاہئے۔ خدا کی خاطر وہ ڈٹے رہیں اور یاد رکھیں کہ خدا کا وعدہ ہے "وتوکل علی العزیز الرحیم" کہ تو پھر اللہ پر توکل رکھ جو عزیز ہے۔ وہ غالب ہے اور فائق ہے ہر دوسری چیز پر۔ صاحب عزت و عظمت ہے اور رحیم ہے اور بار بار رحم فرمانے والا بھی ہے۔

تو تمام دنیا کے امراء جو جماعت احمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں اگر وہ امارت کے ڈھنگ اختیار کریں گے تو یاد رکھیں کہ جماعت ایسے عظیم رشتوں میں منسلک ہو جائے گی جہاں جماعت کا ہر بڑا اپنے ماتحتوں کے لئے چھوٹا ہو جائے گا اور جماعت کا ہر چھوٹا اپنے افسروں کے لئے بڑا بن جائے گا۔ یہ وہ وحدت کا ایک نمونہ ہے جو اس دنیا میں توحید کی برکت سے پیدا ہو سکتا ہے ورنہ ناممکن ہے۔ پس وہ توحید جو ہم آسمان کی بلندیوں پر دیکھتے ہیں وہ ہماری خاطر نیچے اترتی ہے اور ہمیں ایک ایسے عظیم رشتے میں منسلک کر دیتی ہے کہ جہاں چھوٹا خدا کی خاطر بڑا ہو رہا ہے جہاں بڑا خدا کی خاطر چھوٹا ہو رہا ہے، اس سے زیادہ مساوات کا، اس سے اعلیٰ اور پاکیزہ مساوات کا کوئی تصور دنیا میں ممکن نہیں ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے متعلق یہ فرمایا اور پھر دیکھیں کیا فرماتا ہے "الذی یراک حین تقوم" اے میرے بندے تو میری خاطر لوگوں کو ناراض کرتا ہے پھر کیا ڈر ہے "توکل العزیز الرحیم" جس کی خاطر تو توکل کر رہا ہے "الذی یراک حین تقوم" وہ خدا جو تجھے دیکھتا ہے جب تو کھڑا ہوتا ہے، اس کی نظر تجھ پر پڑ رہی ہوتی ہے ایک لمحہ بھی وہ تیرے حال سے غافل نہیں ہے۔ پس زار کو تو اس کی آواز ہو سکتا ہے نہ بھی پہنچتی، ہو سکتا ہے یہ واقعہ ایک فاصلے پر ہوتا اور اس کی نظر بھی نہ پڑتی بعد میں اس سے جو سلوک ہوگا اس کا بھی زار کو کچھ پتہ نہیں چل سکتا تھا۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ ہر حال تجھ پر کھڑا ہے۔ "سبحان من یرانی" کا مضمون ہے جو یہاں بیان ہوا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس شعر میں جو آپ بار بار سنتے ہیں "سبحان من یرانی، سبحان من یرانی" تو ایک صاحب عرفان کا کلام ہے جو جانتا ہے کہ ہر لمحہ میرے خدا کی مجھ پر نظر ہے۔ اس سے کوئی حال بھی میرا غافل نہیں۔ نہ میرا نہ ان لوگوں کا جو میرے ساتھ کوئی معاملہ کرتے ہیں پس فرمایا توکل اس ذات پر تو نے کرنا ہے جو ہمیشہ تجھ پر نگران کھڑا ہے اس کی پیار کی نگاہیں تجھ پر پڑتی ہیں بلکہ وہ اس حد تک تیرے حال سے واقف ہے "وتقلبک فی الساجدین" وہ سجدہ کرنے والوں میں تیرے تقلب کو بھی دیکھ رہا ہے۔ اب دیکھیں کتنا عظیم مضمون ہے جس کا پہلے مضمون سے کیسا حیرت انگیز تعلق ہے۔ تقلب کا یہ مضمون بعض مفسرین نے بلکہ اکثر نے یہ بیان کیا ہے کہ جب مومن سجدہ کرتے ہیں تو ان کے درمیان تیرا پھرنا اللہ دیکھتا ہے۔ کیونکہ تقلب کا ایک معنی ہے پھرنا۔ لیکن تقلب کا یہ معنی اس صورت حال پر اطلاق نہیں پاتا۔ سجدے کے وقت تو سب سے آگے سجدہ ریز محمدؐ رسول اللہ ہوا کرتے تھے۔ اس وقت آپ کے تقلب کا کیا مطلب۔ یہاں تقلب کا جو میں معنی سمجھتا ہوں وہ یہی ہے کہ آپ کا سجدے میں خدا کے حضور گریہ وزاری کے ساتھ کروٹیں بدلنا اور سجدے میں بے چینی سے جب انسان دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں ہوتا ہے جب لوٹتا پوٹتا ہے تو تقلب کا معنی ہی لوٹنا پوٹنا ہے۔ تو تیری بے قراریاں خدا کے حضور، سجدہ ریز لوگوں کے حضور، خدا کی نظر میں رہتی ہیں۔ پس چونکہ سجدے کا مضمون ہی چل رہا ہے اطاعت ہی کا مضمون چل رہا ہے تو فرماتا ہے کہ تیرے خدا کی تجھ پر اس وقت بھی نظر ہوتی ہے جب سجدہ کرنے والوں میں سب سے زیادہ بے قرار سجدہ تیرا ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ اللہ کی محبت میں گوندھا ہوا اور اللہ کی محبت میں تڑپتا ہوا سجدہ تیرا سجدہ ہے۔ پس تقلب سے مراد وہ تڑپنا ہے سجدے کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو نصیب تھا اور فرمایا تجھے پھر کیا پرواہ۔ میں تجھے دیکھ رہا ہوں، ہر حال میں دیکھ رہا ہوں اور تیرے تقلب پر بھی نظر ہے۔ جو دکھ تجھے پہنچتا ہے وہ سجدوں میں تو میرے حضور پیش کر دیتا ہے۔ تیری

بے قراریاں میری نظر کے سامنے رہتی ہیں۔ "انہ ھو السمیع العلیم" جان لے کہ وہ بہت سننے والا ہے اور بہت جاننے والا ہے۔ تو نہ بھی کہتا تو وہ جانتا تھا۔ لیکن جب تو گریہ و زاری خدا کے حضور پیش کرتا ہے تو وہ سمیع علیم ہے۔ وہ سننے والا بھی ہے اور جاننے والا بھی ہے۔

پس مومن اگر یہ رنگ اختیار کرنے کی کوشش کرے جو آقا کے رنگ ہیں یعنی حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے رنگ تو اس کی اطاعت میں بھی رفعتیں ہیں، اس کے مطاع ہونے میں بھی رفعتیں ہیں۔ ہر حال میں وہ سربلند ہے۔ لیکن اس حالت میں سربلند ہوگا جب خدا کے حضور اس کا سر جھکا رہے گا۔ جب سجدوں میں تقلب نصیب ہوگا اور جب بنی نوع انسان کے سامنے اس کی انکساری خدا کی خاطر ہوگی نہ کہ نفس کی ذلت کی خاطر۔ اللہ کرے ہمیں یہ توفیق نصیب ہو اور جماعت کینیڈا کو بھی اللہ تعالیٰ یہ توفیق عطا فرمائے۔

اب چونکہ وقت ختم ہو رہا ہے مگر میں ایک بات جماعت کینیڈا کو خصوصیت سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس اطاعت کے مضمون کو سمجھ کر یاد رکھیں۔ میں سال ہا سال سے آپ کو تبلیغ کی طرف توجہ دلا رہا ہوں۔ اور ہر طرح جس حد تک مجھے خدا نے توفیق بخشی بلند آواز سے بھی. آہستہ بھی، خطوں میں لکھ لکھ کر بھی، پیار سے بھی سمجھا کر. کبھی ناراضگی کا اظہار کر کے بھی آپ کو بتا رہا ہوں کہ دیکھو یہ زمانہ وہ آگیا ہے کہ جب تبلیغ کے تقاضے ہر دوسرے تقاضے سے بالا ہو گئے ہیں۔ اب قوموں کی تقدیریں پلٹنے کا زمانہ آگیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم وہ ہیں جن کے ہاتھوں میں قوموں کی تقدیروں کی باگ ڈور تھما دی گئی ہے۔ اگر ہم اس فریضے کو ادا نہیں کریں گے تو پھر اور کوئی کبھی اس فریضے کو ادا نہیں کرے گا اور اب تو دوسروں کی طرف سے آوازیں اٹھنے لگی ہیں۔ ابھی پرسوں کینیڈا کے ایک مخلص احمدی جو ابھی حال ہی میں احمدی ہوئے ہیں مجھ سے ملنے آئے اور کہا کہ میں شکریہ بھی ادا کرنے آیا ہوں اور شکوہ بھی کرنے آیا ہوں۔ شکریہ اس بات کا کہ مجھے وہ نعمت نصیب ہوئی جس کے لئے میرا دل ہمیشہ بے قرار رہتا تھا اور ایک پیاس تھی جو بجھتی نہیں تھی۔ صرف احمدیت میں آکر وہ پیاس بجھی ہے۔ اور شکوہ اس کا کہ آپ لوگ پہلے کہاں رہے ہیں۔ کیوں ہم تک اپنی آواز نہیں پہنچائی۔ اس نے کہا آپ کو پتہ نہیں کہ لاکھوں روحیں ہیں میری طرح جو بے تاب ہیں۔ ان کے کان ترس رہے ہیں آپ کی آواز سننے کو اور آپ خاموش بیٹھے ہیں۔ کون اس کا ذمہ دار ہے۔ میں نے جس حد تک ممکن تھا سمجھانے کی کوشش کی مگر حقیقت یہ ہے کہ میں اپنے آپ کو بھی آپ کے ساتھ مل کر ایک مجرم محسوس کر رہا تھا۔ جو حق تھا جیسا کہ حق تھا ہم نے ادا نہیں کیا۔

اور امر واقعہ یہ ہے کہ مغربی دنیا میں کینیڈا کو ایک خاص سعادت نصیب ہوئی ہے۔ جس کا ذکر میں ہمیشہ کرتا چلا آیا ہوں۔ ان لوگوں میں ایک بھولا پن ہے. ایک سادگی ہے جو باقی مغربی دنیا میں اس حد تک نہیں ہے۔ جرمن قوم کی بھی میں تعریف کرتا ہوں اور قوموں کی بھی اپنی خوبیوں کے لحاظ سے تعریف کرتا ہوں۔ لیکن ان کا ایک الگ انداز ہے سادگی اور بھولے پن کا جو اس قوم کا ایک خصوصی نشان بن چکا ہے۔ ان کو باوجود اس کے کہ یہ دنیا داریوں میں پھنس گئے ہیں اور دن بدن ان کی توجہات لذت کی پیروی میں منعطف ہو چکی ہیں۔ لیکن ابھی ان کے دل میں ایک پیاس موجود ہے اچھے ہونے کی، بھلائی کی، بنی نوع انسان کی خدمت کی۔ پس یہ قوم آپ کو بلا رہی ہے اور اگر آپ نے ان تک پہنچ کر ان کی اس طبعی پیاس کو نہ بجھایا تو پھر آپ خدا کے حضور کیا جواب دیں گے۔ آپ کوثر کے مالک تو بن بیٹھے مگر کوثر کی تقسیم کا حق ادا نہ کیا۔ پس آپ کی مثال تو ایسی ہی ہوگی جو زندگی کے چشمے پر قبضہ کر لے اور کسی کو اس سے سیراب نہ ہونے دے۔ پس اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے کوثر کا ساقی بنا دیا ہے اس ساقی بننے کے حق کو ادا کریں۔ اور چین سے نہ بیٹھیں جب تک آپ کینیڈا کی سعید روحوں کو احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی طرف دعوت نہ دیں اور پھر ان کی تربیت نہ کریں، ان کو اپنائیں نہیں، ان کو پیار نہ دیں۔ یہ ایک اور مضمون ہے جس کا میں انشاء اللہ آئندہ کسی موقع پر ذکر کروں گا۔ سردست اتنا ہی پیغام دینا کافی سمجھتا ہوں۔ آپ کی وساطت سے چونکہ دنیا ساری براہ راست اس وقت اس خطاب کو سن رہی ہے اور کینیڈا کی جماعت کو یہ توفیق ملی ہے کہ یہ دو طرفہ تعلقات کے رشتے قائم کر دئے ہیں۔ اس لئے میں اس مبارک موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک دفعہ پھر دعوت الی اللہ کی طرف آپ کو توجہ دلاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

دُعائے جنازہ

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا

اے اللہ بخش دے ہمارے زندوں کو اور جو مر گئے اور جو حاضر ہیں اور جو

وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا۔ اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا

موجود نہیں اور ہمارے چھوٹوں کو اور بڑوں کو اور ہمارے مردوں اور عورتوں کو۔ اے اللہ جسے تو

فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ

ہم سے زندہ رکھے اسے اسلام پر زندہ رکھ۔ اور جسے تو ہم میں سے وفات دے اسکو ایمان کیساتھ

اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ

وفات دے۔ اے اللہ اسکے اجر و ثواب سے ہمیں محروم نہ رکھ اور اسکے بعد ہمیں کسی فتنہ میں نہ ڈال

منشورِ انسانیت

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا آخری خُطبہ

حضورِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حج کے موقع پر کم وبیش ایک لاکھ انسانوں کے درمیان مکّہ سے متصل انبیاء کی مبارک سرزمین پر واقع میدانِ عرفات میں جبلِ رحمت پر ایستادہ ہوکر ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔

حقوقِ انسانی کا عالمی منشور

یہ خُطبہ اسلام کے انفرادی اور اجتماعی اخلاقیات اور اصولِ شریعت کا ایک جامع ضابطہ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حقوقِ انسانی کے ایک عالمی منشور کی حیثیت رکھتا ہے جسے جاری کئے ہوئے اب تقریباً چودہ سو سال ہوگئے مگر اس سلسلے میں اس خطبے میں دی ہوئی ہدایات پر کوئی اضافہ نہیں کیا جاسکا۔ نہ آئندہ کیا جاسکے گا۔ اس لحاظ سے صاحبِ جوامع الکلم اور افصح العرب والعجم کے فرمائے ہوئے یہ الفاظ حرفِ آخر ہیں اور اس بناء پر اس خطبے کو ایک دائمی انسانی منشور (ہیومن چارٹر) HUMAN CHARTER قرار دینا چاہیئے۔

خُطبہ حجۃ الوداع

حج کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم عرفات تشریف لائے اور آپؐ نے وہاں قیام فرمایا جب سورج ڈھلنے لگا تو آپؐ نے قصواؔ (اپنی اونٹنی) کو لانے کا حکم فرمایا۔ اونٹنی تیار کرکے حاضر کی گئی تو آپؐ (اس پر سوار ہوکر) بطنِ وادی میں تشریف فرما ہوئے۔ خدا کی حمد وثنا کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:

"خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ یکتا ہے۔ کوئی اس کا ساجھی نہیں، خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اس نے اپنے بندے اور رسولؐ کی مدد فرمائی اور تنہا اسی کی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا۔

- لوگو! میری بات سنو۔ میں نہیں سمجھتا کہ آئندہ کبھی ہم اس طرح کسی مجلس میں یکجا ہوسکیں گے۔
- لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو۔ تم میں زیادہ عزت وکرامت والا خدا کی نظروں میں وہی ہے جو خدا سے ڈرنے والا ہے"۔ چنانچہ اس آیت کی روشنی میں نہ کسی عرب کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر۔ نہ کالا گورے سے افضل ہے نہ گورا کالے سے۔ ہاں بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔
- انسان سارے ہی آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ وہ مٹی سے بنائے گئے۔ اب فضیلت وبرتری کے سارے دعوے، خون ومال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام

میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں، بس بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات علی حالہ باقی رہیں گی۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

- قریش کے لوگو! ایسا نہ ہو کہ خدا کے حضور میں تم اس طرح آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو دُنیا کا بوجھ لدا ہو اور تمہارے دُوسرے سامان آخرت لیکر پہنچیں اور اگر ایسا ہُوا تو میں خدا کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔ قریش کے لوگو! خدا نے تمہاری جھُوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے فخر و مباہات کی کوئی گنجائش نہیں۔
- لوگو! تمہارے خون و مال اور عزتیں ایک دوسرے پر قطعاً حرام کر دی گئیں ہمیشہ کے لئے ان چیزوں کی اہمیت ایسی ہی ہے جیسی تمہارے اس دن کی اور اس ماہِ مبارک (ذی الحجہ) کی۔ خاص کر اس میں ہے۔ تم سب خدا کے آگے جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پُرس کرے گا۔
- دیکھو کہیں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس ہی میں کشت و خون کرنے لگو۔
- اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جاوے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچا دے۔
- لوگو! ہر مسلمان دُوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو، ہاں غلاموں کا خیال رکھو۔ انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔ ایسا ہی پہناؤ جیسا تم پہنتے ہو۔
- دَورِ جاہلیت کا سب کچھ میں نے اپنے پیروں سے روند دیا۔ زمانہ جاہلیت کے خون کے سارے انتقام اب کالعدم ہیں۔ پہلا انتقام جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں میرے اپنے خاندان کا ہے۔ ربیعہ بن الحارثؓ کے دُودھ پیتے بیٹے کا خون جسے بنو ہذیل نے مار ڈالا تھا۔ اب میں معاف کرتا ہوں۔ دَورِ جاہلیت کا سُود اب کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ پہلا سُود جسے میں چھوڑتا ہوں عباس بن عبدالمطلب کے خاندان کا سُود ہے۔ اب یہ ختم ہو گیا۔
- لوگو! خدا نے ہر حقدار کو اس کا حق خود دے دیا۔ اب کوئی کسی وارث کے لئے وصیت نہ کرے۔ بچہ اس کی طرف منسوب کیا جائے گا جس کے بستر پہ وہ پیدا ہُوا۔ جس پہ حرام کاری ثابت ہو اس کی سزا پتھر ہے۔ حساب و کتاب خدا کے ہاں ہو گا۔
- جو کوئی اپنا نسب بدلے گا یا کوئی غلام اپنے آقا کے مقابلے میں کسی اور کو اپنا آقا ظاہر کرے گا۔ اس پر خدا کی لعنت۔
- قرض قابلِ ادائی ہے۔ عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیئے۔ تحفے کا بدلہ دینا چاہیئے اور جو کوئی کسی کا ضامن ہے وہ تاوان ادا کرے۔ کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے سوائے اس کے جس پر اس کا بھائی راضی ہو اور خوشی خوشی دے۔ خود پر اور ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو۔
- عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی بغیر اجازت کسی کو دے۔ دیکھو! تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں۔ اسی طرح ان پر تمہارے حقوق واجب ہیں عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو نہ بلائیں جسے تم پسند نہیں کرتے اور وہ کوئی

خیانت نہ کریں۔ کوئی کام کھلی بے حیائی کا نہ کریں اور اگر وہ ایسا کریں۔ تو خدا کی جانب سے تمہیں اس کی اجازت ہے کہ تم انہیں معمولی جسمانی سزا دو اور وہ باز آجائیں تو انہیں اچھی طرح کھلاؤ پلاؤ۔

• عورتوں سے بہتر سلوک کرو کیونکہ وہ تو تمہاری پابند ہیں اور خود اپنے لئے وہ کچھ نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ ان کے بارے میں خدا کا لحاظ رکھو کہ تم نے انہیں خدا کے نام پر حاصل کیا اور اسی کے نام پر وہ تمہارے لئے حلال ہوئیں۔ لوگو! میری بات سمجھ لو۔ میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا۔

• میں تمہارے درمیان ۲ دو ایسی چیزیں چھوڑ جاتا ہوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہوسکو گے۔ اگر ان پر قائم رہے، اور ہاں دیکھو دینی معاملات میں غلو سے بچنا کہ تم سے پہلے کے لوگ انہی باتوں کے سبب ہلاک کر دیئے گئے۔

• شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں رہ گئی ہے کہ اب اس کی اس شہر میں عبادت کی جائے گی لیکن اس کا امکان ہے کہ ایسے معاملات میں جنہیں تم کم اہمیت دیتے ہو اس کی بات مان لی جائے اور وہ اسی پر راضی ہے اس لئے تم اس سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرنا

• لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، پانچ وقت کی نماز ادا کرو۔ مہینے بھر کے روزے رکھو۔ اپنے مالوں کی زکوٰۃ خوش دلی کے ساتھ دیتے رہو۔ اپنے خدا کے گھر کا حج کرو اور اپنے اہل امر کی اطاعت کرو۔ تو اپنے رب کی جنّت میں داخل ہو جاؤ گے۔

• اب مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمے دار ہوگا اور اب نہ باپ کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔

• سنو! جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہیئے کہ یہ احکام اور یہ باتیں اُن لوگوں کو بتا دیں جو یہاں نہیں ہیں ہو سکتا ہے کہ کوئی غیر موجود تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو۔

اور لوگو! تم سے میرے بارے میں خدا کے ہاں سوال کیا جائے گا بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟

لوگوں نے جواب دیا کہ

ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپؐ نے امانت (دین) پہنچا دی اور آپؐ نے حقّ رسالت ادا فرما دیا اور ہماری خیر خواہی فرمائی۔

یہ سُن کر حضور صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے اپنی انگشتِ شہادت آسمان کی جانب اٹھائی اور لوگوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا:۔

"خدایا گواہ رہنا! خدایا گواہ رہنا خدایا گواہ رہنا"

ہر احمدی والدین کا فرض ہے کہ اپنے بچّوں کو احمدیت سے متعلق ہر قسم کی واقفیت بہم پہنچائیں۔

درودشریف کثرت سے پڑھنے سے جماعت کی طاقت میں اضافہ ہوگا

اس سے تقویٰ اور قربانیوں کا معیار بڑھتا ہے اور ہر شخص میں ایک نئی عظمت پیدا ہوتی ہے

جب آپ درود شریف سے استفادہ کریں تو ان قربانیوں کی طرف متوجہ رہیں اور ان میں اپنا حصہ بٹانے کی کوشش میں رہیں۔ اس زمانہ میں حضرت بانی سلسلہ نے درود شریف سے جس طرح استفادہ کیا۔ وہ غیر معمولی امتیازی شان کا حامل ہے۔ چنانچہ اس کی برکت سے فرشتوں نے آپ کے گھر میں نور کی مشکیں انڈیلیں۔ اور یوں بھی ہوا کہ کشف کی حالت میں دیکھا کہ فرشتے ڈھونڈتے پھرتے تھے کہ کون ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت کر رہا ہے۔ پس جب آپ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں تو آپ پر بعض ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور آپ کے لئے قربانیوں کا ایک مقام متعین ہوتا ہے اور آپ کا ہر درود نیز ہر ایک کا درود ایک علیحدہ علیحدہ مقام رکھتا ہے اور علیحدہ علیحدہ نتائج پیدا کرتا ہے۔ فرمایا درود کے ذریعہ آپ کے تقویٰ اور قربانیوں کا معیار بڑھتا ہے اور خواہ جماعت کی تعداد اتنی ہی رہے مگر ہر فرد جماعت کی طاقت بڑھتی ہے اور ہر شخص میں ایک نئی عظمت پیدا ہوتی ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجیں۔ اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی سچی محبت اور پیار میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور جماعت کی طاقت میں اضافہ ہوگا اور آپ کی دعائیں مقبول ہونے لگیں گی۔ اپنی دعاؤں میں تسبیح و تحمید کے بعد سب سے پہلے درود شریف پڑھا کریں تو دعاؤں میں مقبولیت ہوگی۔ اور ہر راہ میں آپ کو محمدیت کھڑی نظر آئے گی جو آپ کے مقام اور مرتبے کو مزید سے مزید بلند کرتی چلی جائے گی چنانچہ ان معنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وسیلہ بنیں گے۔ اور جب آپ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں گے تو قرآن کریم میں آتا ہے کہ پھر فرشتے مومنوں پر درود بھیجتے ہیں۔ فرمایا اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی احسان کر رہے ہیں۔ دنیا کا ہر انسان خواہ کتنی مرتبہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے تب بھی آپ پر ایک ذرہ احسان نہیں کر سکتا کیونکہ اس درود کے ذریعہ اس کو ترقیات عطا ہوتی ہیں۔ اس کو عظمت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کی عطا میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ فرمایا کہ درود شریف کا آخری زمانہ سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ اس لئے یہ سخت محرومی ہوگی کہ درود شریف سے استفادہ نہ کیا جائے۔ حضور نے فرمایا کہ میں نے یہ لازم پکڑا ہوا ہے کہ جب بھی دعا کرتا ہوں تو پہلے درود شریف پڑھتا ہوں اور پھر دعا کرتا ہوں۔ کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہی طریقہ سکھایا تھا۔ حضور نے فرمایا کہ آپ کے لئے قربانیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ جس کے نتیجہ میں درود شریف کے مطابق آپ کی آئندہ نسلیں ان کی قربانیوں کی وجہ سے آپ پر درود اور سلامتی بھیجیں گی۔ پس دعا کریں کہ

(باقی صفحہ ۲۷ پر)

مشہور برطانوی مورخ
آرنلڈ ٹائن بی
کا

تعاقب

شیخ مبارک احمد احمدی عفی عنہ

پیغمبرانہ شان کا مظاہرہ

ان غیر مسلم محققین و مستشرقین کے تاثرات سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ ٹائن بی کی تنقید اور نکتہ چینی مغالطہ انگیز ہی نہیں غلط بھی ہے اور سطحی بھی۔ واقعہ یہ ہے کہ مدینہ تشریف لا کر آپ ؐ نے نبوت سے متعلق مقدس ذمہ داریاں اور فرائض کو مکی زندگی کے دور کے مقابلہ میں کئی گنا موثر انداز سے انجام دیا۔

عبادت الٰہی

سب سے پہلا اور اہم فریضہ جو ایک پیغمبر اور نبی کی خصوصی شان سے تعلق رکھتا ہے لوگوں کو "عبادت الٰہی" کی طرف متوجہ کرنا ہوتا ہے۔ اس غرض کے لئے مدینہ پہنچ کر آپ ؐ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ عبادت الٰہی کے لئے مسجد کی تعمیر و تکمیل کی۔ اور اس تعمیر و تکمیل کے دوران میں حضور ؐ خود اپنے ہاتھوں سے عام مزدوروں کی طرح اینٹیں اٹھاتے اور دیواروں میں لا کر رکھتے رہے۔ اپنے مقدس ہاتھوں سے اس عبادت گاہ کے لئے گارا بنایا اور تعمیر کے جتنے بھی دوسرے کام تھے ان میں پوری مستعدی اور ہماہمی کے ساتھ حصہ لیا۔ یہی وہ مقدس ترین عبادت گاہ ہے جسے مسجد نبوی ﷺ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جس میں عبادت کا خاص ثواب اور اجر متعین فرمایا گیا ہے تاکہ مومنین میں عبادت الٰہی کا خاص جذبہ اور شوق پیدا ہو۔

ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں اللہ کے بندے اس عبادت گاہ میں ہر ماہ، ہر ہفتہ اور ہر روز اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ کیا مہاجر اور کیا انصار دن رات ذکر الٰہی سے اس عبادت گاہ کو ایک عظیم رونق بخشتے ہیں۔ جہاں حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام مہاجرین و انصار کو مختلف اوقات میں نہایت موثر انداز میں ذکر الٰہی، تلاوت آیات قرآنی اور عبادت کے فریضے کی اہمیت اور اللہ تعالیٰ سے دعاؤں کی تلقین فرماتے ہیں اور یہ سلسلہ بڑی باقاعدگی اور تسلسل سے جاری رہتا ہے۔

پھر مدنی دور ہی میں تکمیل شریعت ہوئی۔ قرآن کریم کے بیشتر حصہ کا نزول ہوا۔ مذہبی احکامات اور فرائض کی بتدریج ترویج و تکمیل ہوئی۔ نیز روزوں کی فرضیت، زکوٰۃ و صدقات و حج کی فرضیت، عیدین اور دیگر عبادات کی تلقین، جہاد اصغر و جہاد اکبر کی اہمیت و ضرورت، حرمت شراب، حرمت ربا، تحویل قبلہ، مساجد کا قیام و احترام و اہتمام، اذان کی ابتداء، انصار و مہاجرین کے مابین مواخات کا قیام، لگاتار اور تسلسل سے صلہ رحمی کی تلقین غریب پروری، یتامی و مساکین کی خبر گیری، نماز جمعہ کی فرضیت، عورتوں کے حقوق کا بھرپور قیام وغیرہ۔ درجنوں ایسے امور ہیں جو خالصتاً فرائض رسالت ؐ سے عبارت ہیں۔ ایک پیغمبر اور نبی کی ذمہ داریاں۔ یہ سب کچھ مدنی دور ہی میں انجام پائیں اور بفضلہ تعالیٰ احسن انداز میں انجام پائیں۔ اور کون انکار کر سکتا ہے اس تاریخی حقیقت سے کہ نمازوں کے اوقات نمازوں کی رکعات، ظہر و عشاء کی رکعات میں دو کی بجائے چار رکعتوں کی ادائیگی مدنی دور ہی میں فرض ہوئیں۔

مزید برآں دعوت الی اللہ کے مختلف منصوبے تبلیغ و وعظ کے فرائض جس شان اور عظمت سے اس دور میں وقوع پذیر ہوئے اگر اس کا مقابلہ تمام انبیاء سابقہ سے کر کے دیکھا جائے تو آپ ؐ کی روحانی رفعتیں واضح ہو کر سامنے آجاتی ہیں۔ کون انکار کر سکتا ہے اس حقیقت سے کہ صلح حدیبیہ کی سخت شرائط کو قبول کر کے دراصل امن و سلامتی، اشاعت اسلام اور تبلیغ دین اسلام کی پر حکمت بنیاد رکھ دی گئی تھی۔ پھر مدنی دور ہی میں سربراہان مملکت کو تبلیغی خطوط کے ذریعہ دین حق قبول کرنے کی دعوت دی گئی اور پورے تسلسل کے ساتھ جملہ اہم ترین فرائض نبوت (بالخصوص احکام الہیہ کی تلقین و تنفیذ کے سلسلہ میں والہانہ جدوجہد) انجام دیئے گئے۔ ان واضح اور روشن حقائق کی موجودگی میں یہ کہنا اور لکھنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آکر پیغمبری کی ذمہ داریوں کو خیرباد کہہ دیا تھا اور فرائض رسالت کو فراموش کر دیا تھا۔ کس قدر کوتاہی فکر اور حق و انصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے۔ مناسب ہوگا کہ حضرت اقدس ﷺ کی پاکیزہ زندگی کے حالات و کوائف آپ ؐ کے اقوال و اعمال، اخلاق و خصائل سے بھی اس امر کا ثبوت پیش کر دیا جائے کہ آپ ؐ نے اپنی عظیم پیغمبرانہ ذمہ داریوں کی انجام دہی میں زندگی کے آخری سانس تک کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔

تسلیم! کہ مدینہ میں آپ کو بادشاہت ملی۔ لیکن اس بادشاہت میں بھی ایسے

اخلاق اور قوانین جاری فرمائے گئے جو دراصل ایک پیغمبر ہی کر سکتا تھا۔ پھر ایک نبی کامل کا یہ بھی اہم ترین فریضہ ہے کہ وہ انسانی زندگی کے اس شعبہ کو بھی اپنے پاک نمونہ سے مزین و مستحکم کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیاوی اور سیاسی خصائل کا حامل بادشاہ ایسی صفات و خصائل کو اجاگر کر ہی نہیں سکتا۔ اس سلسلہ میں ذیل میں کچھ کوائف اور واقعات ایسے پیش کئے جاتے ہیں جن سے روز روشن کی طرح ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ نہ دنیاوی رنگ کے بادشاہ تھے اور نہ قیصر۔

تزک واحتشام سے بے نیازی

حضور ﷺ کی تواضع اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ آپ ؐ کے پاس اکثر وفود اور سفرا آتے رہتے تھے۔ نیز جمعہ اور عیدین کے مواقع پر حضور ؐ کے جسم اطہر پر شان و تجمل کے کپڑے ہونے چاہئیں۔ ایک دفعہ راستہ میں ایک ریشمی کپڑا بک رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنے محبوب آقاؐ سے عرض کیا کہ

حضور ﷺ یہ کپڑا خرید لیں اور جمعہ و عیدین کے علاوہ وفود اور سفرا سے ملاقات کے وقت زیب تن فرمالیا کریں۔

آپ نے یہ سن کر فرمایا۔

انما یلبس هذه من لا خلاق له

یہ وہ پہنے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ (بخاری جلد ۴ مصری صفحہ ۳۱)

تاریخ شاہد ہے کہ آخر زندگی تک حضور ﷺ کا یہی دستور رہا۔ حضور ؐ ہمیشہ موٹے گاڑھے سوت کا کپڑا زیب تن فرماتے رہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ ؐ ایک بوریئے پر آرام فرما رہے تھے۔ اٹھے تو صحابہ کرامؓ نے دیکھا کہ آپ ؐ کے پہلوئے مبارک پر نشان پڑ گئے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ! ہم کوئی گدا بنوا کر پیش کریں تو فرمایا۔

"مجھے دنیا سے کیا غرض! مجھے دنیا سے صرف اس قدر تعلق ہے جس قدر اس سوار کو جو تھوڑی دیر کے لئے راہ میں کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ جاتا ہے اور پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے"۔ (جامع ترمذی کتاب الزاہد)

زمانہ ایلاء کی بات ہے حضرت عمرؓ آنحضرت ﷺ کی کوٹھڑی میں آپ ؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شہنشاہ دو عالم اور پیغمبر خدا کی کوٹھڑی دیکھ کر عمرؓ حیرت زدہ ہو گئے۔ اس کوٹھڑی کا نقشہ عجیب نظارہ پیش کر رہا تھا۔ حضور اقدس علیہ الصلوۃ والسلام کے جسم مبارک پر صرف ایک تہہ بند ہے۔ ایک کھردری چارپائی بچھی ہے۔ سرہانے ایک تکیہ پڑا ہے جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی ہے۔ ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہیں۔ ایک کونے میں کسی جانور کی کھال پڑی ہے۔ شہنشاہ دو عالم پیغمبر خدا (فداہ نفسی و روحی) کی اس آرائش اور آراستگی کو دیکھ کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ موٹے موٹے اور گرم گرم آنسو موتی بن کر گرنے لگے تو رسول اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا۔ عمرؓ اتنا کیوں رو رہے ہو؟۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ میں کیوں نہ روؤں چارپائی کے بان سے جسم مطہر پر بدھیاں پڑ گئی ہیں۔ یہ آپ ؐ کے اسباب کی کوٹھڑی ہے۔ اس میں جو مال و اسباب ہے وہ نظر آ رہا ہے۔ قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹیں اور خدا کے برگزیدہ پیغمبر کے سامان خانہ کی یہ کیفیت ہو۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا

اما ترضى ان تكون لهما الدنيا ولنا الاخره

"اے ابن خطاب! تم کو یہ پسند نہیں کہ وہ دنیا لیں اور ہم کو آخرت ملے"۔

(مسلم باب فی الدیل واعتزال النساء)

حضور ؐ سرور کائنات کی سادگی کا ایک نظارہ دیکھئے۔ حضور ؐ اپنے اصحابؓ کے درمیان تشریف فرما ہیں۔ گھر جانے کی ضرورت پیش آجاتی ہے تو بغیر جوتی پہنے ہی روانہ ہو جاتے ہیں۔ روایت ہے

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا جلس وجلسنا حوله فقام فاراد الرجوع فنزع نعله

کہ جب حضور ؐ تشریف فرما ہوتے تو ہم بھی حضور ﷺ کے ارد گرد بیٹھ جاتے۔ آپ ؐ کھڑے ہوتے اور لوٹنے کا ارادہ فرماتے تو اپنا جوتا اتار کر رکھ دیتے۔

(ابو داؤد جلد دوم صفحہ ۳۱۸)

حضور اقدس ﷺ کی منزہ و مقدس زندگی میں سینکڑوں واقعات ایسے موجود ہیں۔ جو آپ ؐ کی سادگی، تواضع اور خاکساری پر دال ہیں۔ جن میں صرف چند ہی مثالاً پیش کئے گئے ہیں۔ دنیاوی بادشاہوں کی زندگی کے عیش و عشرت کے اسباب، فاخرانہ لباس، زرق و برق پوشاک کے ساتھ مقابلہ کریں اور دیکھیں۔ کیا دنیاوی بادشاہوں کا یہی رنگ ہوتا ہے؟ کیا مادی سلطنتوں کے حکمرانوں میں بھی کوئی ایسی مثال سادگی، تواضع اور خاکساری کی مل سکتی ہے؟ کہاں دو دو ہزار جوڑے اور کہاں پیوند لگا ہوا جبہ۔

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا

بڑائی اور تکبر سے نفرت

دنیاوی بادشاہوں کی (دوسروں سے) گفتگو میں بڑائی، رعونت اور غرور کا رنگ نمایاں ہوتا ہے۔ لیکن سرور کائنات فخر موجودات کے معمولات و مشاغل، اپنوں اور غیروں سے گفتگو میں کہیں اس قسم کی رعونت و احساس رعونت کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ بلکہ ہر قسم کے معاملات اور باہم گفتگو میں حضور ﷺ اپنے آپ کو ایک غیر معمولی انسان سے بڑھ کر پیش کرتے محسوس نہیں ہوتے۔ ایک یہودی کا

آپؐ پر کچھ قرض تھا۔ وہ طلب کرنے آیا اور خشونت و بداخلاقی سے پیش آیا۔ طنز سے یہاں تک کہہ دیا۔

"تم بنی ہاشم جب بھی کسی سے کچھ لیتے ہو پھر دینے کا نام نہیں لیتے"۔

یہ واقعہ مدینہ کا ہے جہاں آپؐ شہنشاہ تسلیم کئے جا چکے تھے۔ حضرت عمرؓ یہودی کی اس گستاخی پر بہت افروختہ ہوئے اور قریب تھا کہ اس کا سر قلم کر دیں۔ حضورؐ فوراً حضرت عمرؓ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا۔

"اے عمرؓ (تمہیں چاہیئے تھا) کہ تم ہم دونوں کو نصیحت کرتے۔ قرض خواہ کو یہ کہ اسے مطالبہ کرنے میں سہولت اور شرافت سے کام لینا چاہئے اور مجھے یہ کہ قرضہ اچھے انداز میں واپس کرنا چاہئے"۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ملاحظہ ہو۔ ایک دن ایک بدو آیا اور حضرت رسول اکرم ﷺ سے قرض کا مطالبہ کیا اور سختی سے گفتگو کی۔ صحابہؓ اس کی روش سے طیش میں آگئے اور ڈانٹ کر اسے کہنے لگے۔

"کچھ خبر ہے تو کس سے ہم کلام ہے" بدو کہنے لگا۔ "میں اپنا حق مانگ رہا ہوں" آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا

مع ان صاحب الدین لہ' سلطان علی صاحبہ حتی یقضیہ (سنن ابن ماجہ) قارض کا حق ہے کہ وہ مقروض سے مطالبہ کرے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ اپنے اصحابؓ کے ساتھ جنگل میں تھے۔ کھانا پکانے کی ضرورت پیش آئی۔ سب کے سپرد الگ الگ کام کر دیئے اور فرمایا "ایندھن کے لئے لکڑیاں میں چن لاتا ہوں" (زرقانی)

عظیم المرتبت اور سرور کائنات ہونے کے باوجود آپؐ نے کبھی معمولی سے معمولی کام کرنے میں دریغ نہیں کیا۔ بلکہ رعایا کے عام آدمیوں کی طرح کئی قسم کے کام انجام دیئے۔ گھر کے کام کاج میں امداد دینا اور خود کرنا تو روز مرہ کا دستور تھا۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے جو بخاری اور احادیث کی دوسری کتب میں بھی موجود ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ گھر کے کام کاج میں ہمارا ہاتھ بٹایا کرتے اور آپ کو خیال تک بھی نہ آتا تھا کہ آپؐ ایک عظیم المرتبت ہستی ہیں۔ ایک دفعہ آپؐ گھر سے باہر تشریف لائے۔ صحابہؓ کرام از راہ تعظیم کھڑے ہو گئے۔ فرمایا

لا تقوموا کما تقوم الاعاجیم لعظیم

(اہل عجم کی طرح تعظیم کے لئے کھڑے نہ ہوا کرو)

(ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۳۲۳)

روایات میں مذکور ہے ایک دفعہ ایک شخص بغرض ملاقات آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور رعب نبوت سے لرزنے اور کانپنے لگا۔ حضور اقدس ﷺ نے اس کی یہ کیفیت دیکھ کر فرمایا۔

گھبراؤ نہیں۔ میں فرشتہ نہیں۔ ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں۔ جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی۔ (شمائل ترمذی)

ایفائے عہد

ابو رافع نامی ایک شخص غلام ہے جو مکہ کی حالت کفر میں قریش کی طرف سے سفیر بن کر مدینہ میں حضرت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ جب اس کی نظر آپؐ کے مبارک چہرے اور روئے انور پر پڑتی ہے تو اس کافر غلام کا تاریک قلب یک لخت نورانیت کا جامہ پہن لیتا ہے۔ اور وہ دل جو سینکڑوں بتوں کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ آزاد ہو کر خدائے واحد کا بندہ بن جاتا ہے۔ ابو رافع پر اسلام اور حضرت رسول اکرم ﷺ کی صداقت و حقائیت کا نور اس کے قلب تاریک کو منور کر دیتا ہے اور وہ حضور ﷺ سے عرض کرتا ہے۔

"یا رسول اللہ ﷺ! اب میں کبھی کافروں کے پاس لوٹ کر نہ جاؤں گا"۔

ارشاد ہوتا ہے۔

نہ میں عہد شکنی کر سکتا ہوں اور نہ قاصدوں کو اپنے پاس روک سکتا ہوں۔ اس وقت واپس جاؤ اگر وہاں پہنچ کر بھی تمہارے دل کی یہ کیفیت باقی رہی تو آجانا"۔

(ابو داؤد باب الوفا بالعہد)

چنانچہ حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد سن کر ابو رافع واپس چلا گیا۔ پھر صلح حدیبیہ کا واقع ہے۔ ابھی شرائط لکھی جا رہی ہیں کہ ابو جندل پابہ زنجیر اہل مکہ کی قید سے بھاگ آتا ہے اور حضور اقدس علیہ الصلوۃ والسلام سے فریادی ہوتا ہے۔ تمام صحابہؓ اس دردناک منظر کو دیکھ کر آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ اضطراب سے بے چین ہو جاتے ہیں اور تڑپ اٹھتے ہیں لیکن خدا کا فرستادہ اور برگزیدہ پیغمبرؐ اس شرط کے مطابق کہ

"مکہ سے جو مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا وہ اہل مکہ کے مطالبہ پر واپس کر دیا جائے گا"۔

ابول جندل سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے۔

"ابو جندل ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔ صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے لئے کوئی راستہ نکالے گا (صحیح بخاری کتاب الشروط)

عہد و پیمان کی پابندی کا ایک اور نظارہ ملاحظہ ہو۔ جنگ بدر کا موقع ہے۔ گھمسان کا رن ہے لشکر کفار مقابلہ میں سازو سامان حرب سے پوری طرح لیس ہے ہر فکر سے بے نیاز۔ تعداد ایک ہزار سے زائد۔ ادھر مسلمان ہیں تعداد کے نقطہ نظر سے آٹے میں نمک۔ رسد و خوارک کا یہ حال کہ بعض کئی دنوں سے فاقے سے ہیں۔ اور پیاس میں مبتلاء ہیں' نہ کوئی نیزہ' نہ کوئی تلوار اور جو تلواریں ہیں وہ بھی بیشتر لکڑیوں کی۔ نہ گھوڑے نہ سواری۔ بس فقط اللہ اور اس کا نام۔ ایسی نازک حالت میں دو مسلمان ابو حذیفہ بن یمان اور ایک صحابی مکہ سے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور اس

معاہدہ کا ذکر کرتے ہیں جس کی بناء پر کفار نے انہیں حضورؐ کے پاس آنے کی اجازت دی ہے۔ یعنی جنگ میں آپؐ کا ساتھ نہ دینا ہو گا۔ ان کی یہ بات سن کر حضرت اقدس ﷺ فرتے ہیں۔

انصرفا لهم بعهدهم و نستعين الله عز و جل

تم واپس چلے جاؤ ہم ہر حال میں وعدہ پورا کریں گے۔ ہم کو صرف خدا تعالیٰ کی مدد درکار ہے۔ اور بس..." (صحیح مسلم باب الوفاء بالعهد جلد ۲ صفحہ ۸۹)

انتقام کی بجائے حسن سلوک

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں آپؐ نے کبھی کسی ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا۔ بجز اس کے کہ کسی نے احکام الٰہی اور فرمان خداوندی کی رسوائی کی ہو۔

(بخاری کتاب الادب جلد ۲ صفحہ ۹۴)

ابتدائی ایام کا واقعہ ہے کہ حضور ﷺ طائف میں تبلیغ اسلام کے لئے تشریف لے گئے۔ اہل طائف نے پتھراؤ اور سنگباری سے آپؐ کا استقبال کیا۔ اس جورو ستم کے نتیجہ میں آپؐ کے پاؤں تک زخمی اور لہولہان ہو گئے۔ یہی لوگ پھر غزوہ طائف میں بھی سنگدلی کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں۔ آپؐ پر زہر آلود تیروں کی بارش کی جاتی ہے لیکن آپؐ اپنے رب کے حضور پھر بھی ان کی اصلاح و بہتری کے لئے دعا کرتے ہیں کہ

"اے خدا انہیں سمجھ عطا کر اور انہیں آستانہ اسلام پر جھکا دے"۔

(صحیح بخاری ذکر طائف)

پھر انہی لوگوں کا وفد جب 9 ہجری میں مدینہ آتا ہے تو حضور اکرم ﷺ بہ نفس نفیس ان کی خاطر مدارت اور مہمان نوازی کے دیگر فرائض بجالاتے ہیں اور انہیں ہر قسم کا آرام اور سہولت بہم پہنچائی جاتی ہے اور انہیں خدائے قدوس کے مطہر و مقدس گھر (مسجد نبویؐ) میں عزت واحترام کے ساتھ ٹھہرایا جاتا ہے۔

(ابو داؤد ذکر طائف)

گویا مدینہ کا یہ بادشاہ ایک ایسا بادشاہ ہے جو جانی دشمنوں اور خون کے پیاسوں کو بھی حسن سلوک اور خاطر مدارت سے نوازتا ہے۔ مدینہ میں آپؐ کو کیا میسر نہیں تھا۔ ہر قسم کے مقدرت پھر حالات کاملا سازگار مگر آپؐ کے انتقام کے جذبہ پر تو ایسی برف کی سلیں رکھی ہوئی تھیں کہ آپؐ کے دشمنوں کو بھی آپؐ سے تپش کی بجائے ہمیشہ ٹھنڈک ہی میسر آتی رہی۔ حتیٰ کہ طائف کے دشمن بھی حضرت اقدس کی طرف سے مہر و محبت اور عفوو درگزر ہی سے نوازے گئے۔

عفوو درگزر کا شاندار مظاہرہ

تاریخ اسلام کے اوراق کا مطالعہ کریں تو اس کا ہر ورق جانی دشمنوں تک سے آپؐ کے حسن سلوک اور عفو و درگزر کے شاندار نظاروں سے اٹا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ قیام مکہ کے عرصہ میں کون سی تکلیف اور اذیت تھی جو آپؐ کو پہنچائی نہ گئی۔ آپؐ پر اور آپؐ کے پیاروں پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی گئی۔ ایسے ظلم و ستم تاریخ عالم جن کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپؐ کو کانٹوں کی سیج پر چلایا گیا۔ غلاظت و گندگی بھری اوجھڑیاں آپؐ پر پھینکی گئیں۔ آپؐ کو قسم قسم کے برے ناموں سے پکار کر آپؐ کی تضحیک کی گئی۔ آپؐ کے مشن کو مختلف منصوبوں اور سازشوں کے ذریعہ ملیامیٹ کرنے کی کوشش کی گئی۔ آپؐ کے شیدائیوں کو تپتی ریت پر گھسیٹا گیا اور ان کے جسموں کو گرم جھلستے ہوئے پتھروں میں داغا گیا لیکن دس سال بعد جب شاہ دو عالم ایک فتح نصیب، عظیم صاحب مقدرت کی حیثیت میں ظفرو کامرانی کے لہراتے ہوئے پرچم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوتے ہیں، ایسے عالم قوت و جبروت میں کہ کسی کافر میں چوں چراں کرنے کی مجال نہیں۔ آپؐ بیک جنبش لب ان تمام خطرناک دشمنوں کو عفو و درگزر کی نوید سے نوازتے ہیں اور اعلان فرماتے ہیں "لا تثريب عليكم اليوم اذهبوا فانتم الطلقاء" جاؤ آج کے دن تم آزاد ہو۔ تم پر کسی قسم کی سختی نہیں کی جائے گی۔

(مسلم۔ فتح مکہ جلد ۲ صفحہ ۸۶)

کیا تاریخ عالم سے کسی صاحب اقتدار بادشاہ اور قیصر کی ایسی عفو و درگزر کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ اس نے تو ہر اس دشمن کو جو آپؐ کو اور آپؐ کے ماننے والوں اور اسلام کے خلاف نمایاں حصہ لیتا رہا ہے معاف کر دیا۔ عفو و درگزر کی ردا پہنا دی۔ سر ولیم میور لکھتا ہے:۔

The conduct of Mahomet on the conquest of Mecca, was marked by singular magnanimity and moderation. It was indeed for his own interest to forgive the past, and to cast all its slights and injuries into oblivion. But it did not the less require a large and generous heart to do this. And he had his reward, for the whole population of his native city at once gave in their adhesion, and espoused his cause with alacrity and apparent devotion. There were no "disaffected" inhabitants at Mecca, as there had been at Medina. Within a few weeks we find two

(باقی صفحہ ۲۷ پر)

محترم ڈاکٹر عبد السّلام صاحب

(سوانحی خاکہ)

ڈاکٹر عبدالسلام سرزمینِ وطن کے ان سپوتوں میں سے ایک ہیں جو اپنے کارہائے نمایاں کی وجہ سے مُلک اور اپنی قوم کی شناخت بن جاتے ہیں۔ اور اس سے آگے قدم بڑھاتے ہوئے کوئی ایسا کام بھی کر گزرتے ہیں جو پُوری انسانیت کو تحیر کے کسی نئے راستے، ترقی کی کسی نئی سمت اور جد و جہد کے کسی نئے سفر پر گامزن کر دیتا ہے۔ پھر یہ لوگ دُنیا کا سرمایہ بن جاتے ہیں۔ دُنیا انہیں ان کے کام سے پہچانتی ہے اور سرزمینِ وطن ان کے نام سے پہچانی جاتی ہے وہ پہلے پاکستانی ہیں جنہوں نے نوبل انعام حاصل کیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالسلام کی روشن زندگی کا سفر ان کی پیدائش کے ساتھ ۲۹ جنوری ۱۹۲۶ء کو پنجاب کے علاقے جھنگ سے شروع ہُوا۔ وہیں ان کی پرورش ہوئی۔ وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ وہیں سے بی ایس سی کیا۔ والد انہیں سرکاری افسر بنانے کے خواہشمند تھے۔ لیکن عبدالسلام کا سائنس کی طرف رجحان دیکھتے ہوئے انہوں نے ان کی حوصلہ افزائی کی اور یوں گھر میں مناسب تربیت اور راہنمائی میسّر آنے کی وجہ سے عبدالسّلام کو اپنے علمی شوق کو حسبِ خواہش جاری رکھنے کا موقع ملا۔ انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور کے طالب علم کی حیثیت سے ۱۹۴۶ء میں ایم ایس سی (ریاضی) کا امتحان اوّل درجہ میں کامیاب کیا۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے وظیفہ حاصل کر کے لندن چلے گئے۔ اور ۱۹۴۹ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے ریاضی اور طبعیات میں آنرز کا امتحان دو اوّل درجہ کی کامیابیوں کے ساتھ پاس کیا۔ جو ان کیلئے خوشی اور ان کے اساتذہ کے لئے قدرے حیرانی کی بات تھی۔ کیمبرج میں انہوں نے اپنی تعلیم و تحقیق کا سلسلہ جاری رکھا اور ۱۹۵۲ء میں نظری طبعیات میں پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی۔ یہاں انہوں نے پُوری ریاضی اور پُوری طبعیات پر ایسی قدرت کا مظاہرہ کیا کہ پی ایچ ڈی مکمّل ہونے سے پہلے ہی نمایاں تحقیقی کارنامہ انجام دینے پر کیمبرج یونیورسٹی نے "اسمتھ پرائز" سے نوازا۔ ۱۹۵۱ء میں وہ وطن واپس آگئے اور ۲۵ سال کی جوان عمری میں گورنمنٹ کالج لاہور میں طبعیات کے "فُل پروفیسر" مقرر ہوگئے۔ یہ وہی درسگاہ تھی جہاں سے صرف پانچ سال قبل انہوں نے ایم ایس سی کیا تھا۔

یہ آزادی کے بعد تشکیلِ پاکستان کا ابتدائی دور تھا۔ مسائل بہت زیادہ اور وسائل بہت کم تھے۔ درسگاہوں

سائنسی اداروں کے رُکن ہیں یا رہے ہیں۔ ان میں
نیشنل سائنس کونسل آف پاکستان، پاکستان سائنس
فاؤنڈیشن، پاکستان اکاڈمی آف سائنس۔ رائل سوسائٹی
لندن۔ رائل سویڈش اکاڈمی آف سائنس۔ امریکن اکاڈمی
آف آرٹس اینڈ سائنس، سوویت اکاڈمی آف سائنس
اور یو ایس نیشنل اکاڈمی آف سائنس جیسے باوقار
ادارے شامل ہیں۔

بے شمار علمی و تحقیقی اداروں سے وابستگی کے ساتھ
ساتھ انعامات و اعزازات کی ایک طویل فہرست ہے جو
اس نامور سائنسدان کے نام سے وابستہ ہے۔ یوں تو ان
انعامات و اعزازات میں سمتھ پرائز سے لے کر ــــ دُنیا
کے سب سے بڑے انعام ــــ نوبل پرائز تک شامل ہیں۔
لیکن ڈاکٹر عبدالسلام کی زندگی کا پہلا انعام ــــ اور
ان کی ذہانت کا پہلا اعتراف ــــ ایک پیسہ کا سکّہ ہے جو
آٹھویں جماعت میں ایک مشکل سوال منٹوں میں حل کرنے
پر انہیں ان کے ریاضی کے استاد مولوی عبداللطیف نے
اپنی جیب سے نکال کر عطا کیا تھا۔ اور اپنے ہونہار شاگرد
کی لیاقت سے متأثر ہو کر آبدیدہ ہوتے ہوئے کہا تھا کہ "اگر
میرے پاس کچھ اور ہوتا تو وہ بھی تمہیں دے دیتا۔" ڈاکٹر
عبدالسلام کو یہ پہلا انعام اپنے وہ لائق استاد اور ان کی
شفقت و مہربانی آج بھی یاد ہے۔

۱۹۵۰ء میں انہیں کیمبرج یونیورسٹی نے "اسمتھ
انعام" کے علاوہ "طبعیات کے لئے بہترین خدمت" پر
ہوپکنز انعام دیا اور ۱۹۵۸ء میں آڈمز انعام عطا کیا
گیا۔ حکومتِ پاکستان نے انہیں ستارۂ امتیاز، نشانِ امتیاز
اور پرائیڈ آف پرفارمینس کے اعزازات دیئے۔ فزکس
سوسائٹی لندن نے ۱۹۶۱ء میں میکس ویل تمغہ اور انعام
عطا کیا، ۱۹۶۴ء میں رائل سوسائٹی لندن نے ہیوگز تمغہ سے
نوازا۔ ۱۹۶۸ء میں ان کی عالمگیر خدمات کے اعتراف میں
ایٹم برائے امن کا تمغہ اور انعام دیا گیا۔ یونیورسٹی آف
میامی نے ۱۹۷۱ء میں اوپن ہیمر یادگار تمغہ اور انعام عطا
کیا۔ ۱۹۷۶ء میں گوتھری تمغہ اور انعام ۱۹۷۸ء میں میٹلی
تمغہ اور جان ٹورنس تمغہ دیا گیا۔ انہوں نے طبعیات کا نوبل
انعام ۱۹۷۹ء میں حاصل کیا ــــ اور ابھی حال ہی میں سوویت
اکادمی آف سائنس نے انہیں ایوارڈ دیا ہے۔

"نوبل انعام" کے ساتھ ایک خطیر رقم بھی دی جاتی ہے۔
ڈاکٹر عبدالسلام نے اس رقم کو اپنے ملک کے نوجوان
سائنسدانوں کی حوصلہ افزائی کے لئے وقف کر دیا ہے۔ انہوں
نے ساٹھ ہزار ڈالر سے از خود ایک سائنس فاؤنڈیشن قائم
کی ہے۔ سال میں پچاس طلباء کو فاؤنڈیشن وظائف دیتی
ہے اور سال میں ایک بار طبعیات اور ریاضی کے شعبہ
میں نمایاں تحقیقی کام کرنے والے پاکستانی سائنسدان کو
ایک ہزار ڈالر کا انعام دیا جاتا ہے۔ "ایٹم برائے امن انعام"
کی رقم انہوں نے جھنگ، ساہیوال اور لاہور کے بعض سکولوں
اور کالجوں میں لیبارٹری بڑھانے کے لئے وقف کر دی۔ اس
کے علاوہ انہوں نے نتھیا گلی سمر اسکول برائے طبعیات قائم
کیا جو پاکستان میں اپنی نوعیت کا واحد اور منفرد ادارہ
ہے اور اٹامک انرجی کمیشن کے تحت چل رہا ہے۔

ڈاکٹر عبدالسلام ــــ نوبل انعام حاصل کرنے
والے پہلے پاکستانی ہیں جس سائنسی کارنامے پر انہیں اس

میں تحقیق کی سہولتیں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ ڈاکٹر
عبدالسلام کی بلند پرواز طبیعت اور فکر کے لئے وسیع تر
فضاؤں اور پُرسبر ماحول کی ضرورت تھی، تین سال بعد
۱۹۵۴ء میں وہ برطانیہ واپس گئے اور کیمبرج یونیورسٹی
میں لیکچرار کے فرائض انجام دینے لگے۔ ۱۹۵۷ء میں ان
کی خدمات کیمبرج یونیورسٹی کے ملحقہ ادارے امپیریل کالج
آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی نے بطور پروفیسر حاصل کرلیں۔
۱۹۸۰ء تک وہ یہاں نظری طبیعات کے پروفیسر رہے۔

ایک ترقی پذیر اور نو آزاد ملک کے شہری کی
حیثیت سے ڈاکٹر عبدالسلام کو زندگی کے ان تمام تجربات
سے گزرنے کا موقع ملا۔ جو ہر ترقی پذیر ملک کے نوجوانوں
۔ خاص طور پر ۔۔ تحقیق و جستجو کی طرف مائل افراد کو
پیش آتے ہیں۔ ترقی کی دوڑ میں مغرب کی برتری چھوٹے ملکوں
کی وسائل سے محرومی، پھر ان ملکوں کے نوجوانوں کی دبی دبی
سی خواہشیں اور سہما سہما سا مزاج، جو طویل عرصہ تک
یورپی اقوام کی غلامی کا شکار رہ چکے ہیں اور جن کی بزرگ
نسل کے بیشتر لوگ ابھی تک ذہنی مرعوبیت کا شکار ہیں ۔۔
ان ناگوار حقیقتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے انہوں نے کم
ترقی یافتہ ملکوں کے ذہین نوجوانوں اور باصلاحیت سائنسدانوں
کو آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کرنے کے لئے نظری طبیعات
کا بین الاقوامی مرکز ۔۔ اٹلی کے شہر ٹریسٹے میں قائم کیا۔
ٹریسٹے سینٹر ایک تنہا شخص کے عزمِ صمیم کا مرقع ہے۔ وہی
شخص اس سینٹر کی روح ہے۔ اور وہی اس اعلیٰ سائنسی
تحقیقات کے ادارے کو رواں رکھنے کا موجب ہے۔ بنیادی
طور پر یہ مرکز تیسری دنیا کے اعلیٰ ماہرین طبیعات کے لئے
قائم کیا گیا تھا۔ لیکن اس کے بانی کے ذاتی تجربے نے اس
کے مقاصد اور کامیابیوں کو کہیں آگے بڑھا دیا ہے۔

طبیعات اور اس سے متعلقہ موضوعات پر ڈاکٹر
عبدالسلام کے دو سو سے زائد تحقیقی مقالے بین الاقوامی
جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ حکومتِ پاکستان کی سائنسی
پالیسی اور سائنس پروگرام مرتب کرنے کی ذمہ داریوں میں
بھی شریک رہے ہے۔ مختلف حکومتوں کے دور میں انہیں قومی
اہمیّت کی ذمہ داریاں سونپی گئیں اور بین الاقوامی اداروں
نے ان کی علمیت و تجربہ سے استفادہ کیا۔

ڈاکٹر عبدالسلام جنیوا کانفرنس برائے پُرامن
استعمال جوہری توانائی کے معتمد (۱۹۵۵-۵۸ء)
رہے اور ۱۹۵۸ء سے ۱۹۷۴ء تک پاکستانی اٹامک
انرجی کمیشن کے رکن رہے۔ ۱۹۶۱-۷۴ء کے عرصہ میں
صدرِ پاکستان کے مشیر برائے سائنس و ٹیکنالوجی کا اعزاز
ان کے پاس رہا، ۱۹۶۲-۶۳ء میں انہوں نے
بین الاقوامی جوہری توانائی ایجنسی کے بورڈ آف گورنرز
میں پاکستان کی نمائندگی کی وہ سائنٹیفک کمیشن آف
پاکستان کے رکن (۱۹۵۹ء) اور وفاقی تعلیمی کمیٹی کے
مشیر رہے۔ ۱۹۶۴-۷۵ء میں اقوامِ متحدہ کی مشاورتی
کمیٹی برائے سائنس و ٹیکنالوجی کی رکنیت اور ۱۹۷۱-۷۲ء کی مدت
کیلئے اس کمیٹی کی صدارت ان کے سپرد کی گئی۔ ۱۹۷۰ء میں انہیں
اقوامِ متحدہ کی یونیورسٹی کی تاسیسی کمیٹی کا رکن نامزد
کیا گیا۔ ۱۹۷۲ء میں بین الاقوامی یونین برائے خالص و
اطلاقی طبیعیات کے صدر منتخب ہوئے۔ ڈاکٹر عبدالسلام
اقوامِ متحدہ کے پینل کے علاوہ جن قومی اور بین الاقوامی

(باقی صفحہ ۲۷ پر)

نیوٹن، آئن سٹائن اور عبدالسلام

دنیائے اسلام کا نیوٹن - پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام

محمد زکریا ورک

بارھویں صدی کے بعد دنیائے اسلام میں سائنس کے افق پر کوئی شہاب ثاقب نظر نہیں آتا ۔ لیکن آٹھ سو سال کے طویل عرصہ کے بعد بیسویں صدی میں پاکستان کے اسلامی قلعہ میں جب ایک شخص عبدالسلام کے نام سے پیدا ہوا تو یہ جمود ٹوٹا کہ دنیائے اسلام کے واحد نوبل انعام یافتہ سائنس دان جناب عبدالسلام کی ذات کئی عظمتوں کا مجموعہ ہے ۔ سائنس کی دنیا میں ایک تاریخ ساز شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ایک نہایت شریف النفس مذہبی انسان بھی ہیں ۔ زندگی کا زیادہ حصہ مغربی ماحول میں گزارنے کے باوجود مشرق کی روحانیت ان کی متاع عزیز رہی ۔ اسی روحانیت اور دین اسلام سے وارفتگی و وابستگی نے انہیں رواداری اور منکسرالمزاجی کے اعلیٰ مدارج تک پہنچایا ۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام 29 جنوری 1926ء کو جھنگ میں پیدا ہوئے نیوٹن اور آئن سٹائن کی طرح آپ بھی اپنے والدین کے پہلے چشم و چراغ تھے ۔ ان کا خاندان انتہائی مذہبی تھا اور علمی روایات کو عزیز رکھنے والا تھا ۔ ان کے والد محترم جناب چوہدری محمد حسین صاحب ایک نہایت مذہبی انسان تھے ۔ وہ قرآن و سنت پر بڑی سختی سے عمل پیرا تھے ۔ 1914ء میں جب وہ جماعت احمدیہ میں داخل ہوئے تو ان کو اپنے شہر کے دوستوں اور رشتہ داروں کی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا مگر اس مخالفت کے طوفان نے ان کے اعلیٰ کردار کو خوب نشو و نما دی ۔ ان کے مذہبی جوش و خروش نے ان کی اولاد پر بھی بہت اچھا اور نیک اثر ڈالا ۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام کی بے مثال شخصیت پر ان کے والد محترم کے زبردست اور اعلیٰ کردار کی مہر تام نظر آتی ہے ۔ ان کا فقید المثال کردار ان کے والد نے اپنے سانچے میں خود ڈھالا ۔ چوہدری محمد حسین صاحب طبعیت کے نہایت نرم تھے ۔ اپنے اوصاف حمیدہ کے باعث وہ ہر جگہ بڑی عزت اور وقار کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ۔ اور ہر دلعزیز تھے ۔ ان کو جنون کی حد تک اسلام سے لگاؤ تھا ۔ ان کی پاکیزگی طبع کی بدولت ان سے ملنے والا ہر انسان بے حد متاثر ہوتا تھا ۔ وہ اپنے فرائض منصبی پوری لگن کے ساتھ ادا کرتے تھے ۔ وہ عزت نفس کا خیال رکھنے والے اور اخلاقی جرأت سے مالا مال تھے ۔ وہ حق پسند اور سچی طبعیت کے مالک تھے ۔ ان خوبیوں اور بے مثال اوصاف کی بناء پر وہ اپنے شہر کے روشن خیال اور وسیع النظر لوگوں میں شمار ہوتے تھے ۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام کے والد ماجد کی پہلی بیگم ، دو سال کے ازدواجی رشتہ کے بعد رحلت کر گئیں ۔ یہ صدمہ ان کے لئے ناقابل برداشت تھا ۔ چنانچہ انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی ۔ اس صدمہ کے بعد انہوں نے خدا سے لو لگائی اور اپنے آپ کو نماز اور دعا میں وقف کر دیا ۔ دنیوی امور سے ناطہ توڑ لیا اور رفتہ رفتہ ان کی شبینہ دعاؤں میں خشوع و خضوع پیدا ہوتا چلا گیا آخر کار مولیٰ کریم نے ان کی دعاؤں کو قبولیت کا شرف بخشا اور ان کی دوسری شادی محترمہ ہاجرہ بیگم صاحبہ سے ہوگئی جو ایک مثالی رفیقہ حیات ثابت ہوئیں ۔ خداتعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو مزید شرف قبولیت اس وقت عطا کیا جب 3 جون 1925ء کو نماز جمعہ میں نفل ادا کرتے ہوئے ان کو ایک فرزند ارجمند کی بشارت دی گئی اور ہونے والے لخت جگر کا نام " عبدالسلام " تجویز کیا گیا ۔

جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام کی والدہ نے انہیں احساس تحفظ سے نوازا اور ہر ماں کی مثالی محبت کی طرح ان کو محبت کی دولت سے مالا مال کیا ان کی والدہ بھی ایک مذہبی اور دین دار گھرانے کی چشم و چراغ تھیں ان کے بڑے بھائی نے 20 سال بحیثیت مبلغ اسلام افریقہ میں گزارے تھے ۔ وہ ایک رحم دل اور نیک فطرت خاتون تھیں ۔ ان کے سادہ سے دل میں جو انمول خزانے موجود تھے وہ انہوں نے سلام پر نچھاور کر دئے ۔ وہ ایک قناعت پسند خاتون تھیں ۔ اپنے خاندان سے بے پناہ محبت اور عقیدت تھی ۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام نے یہ خوبیاں اپنی والدہ ماجدہ سے ورثہ میں پائیں ۔ ابتدائی مدرسہ میں جانے سے پہلے سلام کو لکھنا پڑھنا گھر میں سکھلایا گیا ۔

1979ء میں جب سلام کو نوبل انعام سے نوازا گیا تو صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق نے ان کا پاکستان میں شایان شان استقبال کیا نیز ان کے گھر جہاں ان کی پیدائش ہوئی تھی جھنگ میں اس کو قومیا لیا گیا ان کو ملک کا سب سے بڑا سول ایوارڈ دیا گیا پاکستان کی ایک یونیورسٹی میں ان کے نام سے ایک سائنسی ایوارڈ قائم ہے جو ہر سال ایک

ہونہار طالب علم کو دیا جاتا ہے ۔

لندن میں نقل مکانی کے بعد سلام نے امپرئیل کالج لندن میں اپنے پہلے آٹھ برسوں 64 -1957ء میں قیام کے دوران پچاس تحقیقی مقالے شائع کروائے اور یوں نظریاتی طبیعات میں 20 طالب علموں نے ان کے ماتحت ڈاکٹریٹ کی 1985ء تک سلام کے کل شائع شدہ سائنسی مقالوں کی تعداد 250 بنتی ہے اس کے علاوہ انہوں نے 100 سے زیادہ بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کی ہے نیز سائنس اور سیاسیات سے تعلق رکھنے والی سربرآوردہ شخصیات سے ان کے روابط اور ملاقاتوں کا سلسلہ بھی ان گنت ہے سائنس کے فروغ کے لئے انہوں نے دنیا کے گوشے گوشے کا سفر کیا ہے ۔

نیوٹن اور آئن سٹائن بالترتیب کیمبرج اور پرنسٹن سے منسلک رہے جبکہ سلام نے خود ایک بین الاقوامی سائنسی ادارہ کا اجراء کیا جس کا نام انٹرنیشنل سینٹر فار تھیوریٹکل فزکس ہے اور جو اقوام متحدہ کے زیر نگرانی اٹلی کے ملک میں گزشتہ تیس سال سے ہزاروں سائنس دانوں کو اعلیٰ ترین تربیت اور سائنسی ماحول کے مواقع فراہم کر رہا ہے ۔ سلام اس انوکھے مگر نہایت موئثر بین الاقوامی ادارہ کے بانی ڈائریکٹر ہیں ۔ مارچ 1994ء میں ڈاکٹر عبدالسلام آئی سی ٹی پی سے ریٹائر ہو گئے ۔ ان کی ان تھک محنت جذبہ صادق اور سچی لگن سے یہ ادارہ ثمر آور ہو رہا ہے ۔ سلام کی کرشماتی شخصیت بے پایاں خلوص اور تیسری دنیا کے مفلوک سائنس دانوں کے لئے ان کے والہانہ پیار اور محبت کا ایک جاوداں یہ ادارہ تاج محل کا مظہر ہے بحیثیت استاد کا امپرئیل کالج لندن میں گزشتہ چالیس سال سے تقرر نیز ٹریسٹ Triest سے ہر سال ہزاروں سائنس دانوں کا پیدا ہونا یا جدید ریسرچ کا کام کرنا نیوٹن اور آئن سٹائن کی منفرد شخصیات پر سلام کو فوقیت دیتا ہے ۔ سلام کی طلسماتی شخصیت ، ان کی سائنسی علوم میں گہری دلچسپی ، ان کا تبحر علمی نیز اقتصادی ، سائنسی اور مذہبی امور پر ان کی زبردست گرفت ، ان کو دنیا کی قدآور شخصیتوں کی صف اول میں کھڑا کرتا ہے ۔

آئن سٹائن کو آکسفورڈ یونیورسٹی نے 1931ء میں اعزازی ڈاکٹریٹ سے نوازا جبکہ سلام کو کیمبرج نے 1985ء میں اعزازی ڈاکٹریٹ سے نوازا آئن اسٹائن اور سلام میں ایک بات مشترک یہ ہے کہ دونوں کو نوبل انعام سے نوازا گیا آئن سٹائن کے بیٹے نے ڈاکٹریٹ کی جبکہ سلام کی بڑی صاحبزادی عزیزہ نے حال ہی میں امریکہ سے بیالوجی میں ڈاکٹریٹ کی ۔ آئن اسٹائن کے ایک شاگرد Otto Stern کو 1943ء میں طبیعات میں نوبل پرائز دیا گیا جبکہ سلام کے ایک شاگرد والٹر گلبرٹ Walter Gilbert کو 1980ء میں کیمسٹری کا نوبل پرائز دیا گیا مسٹر گلبرٹ 1953ء میں لندن میں سلام کے پی ایچ ڈی کے نظریاتی طبیعات میں شاگرد رہے تھے بعد میں انہوں نے اپنی فیلڈ جینیات Genetics میں تبدیل کر لی اور جینیٹک کوڈ کو Decipher کرنے کی تکنیک دریافت کرنے پر نوبل پرائز دیا گیا ۔

نیوٹن اور سلام دائیں ہاتھ والے جبکہ آئن اسٹائن بائیں ہاتھ والا تھا جب آئن اسٹائن کو نوبل پرائز ملا اس وقت اس کی عمر 42 سال تھی جبکہ سلام کو ان کے 53 ویں سال میں نوبل پرائز ملا حقیقیت تو یہ ہے کہ سلام کو نوبل پرائز 1956ء میں ملنا چاہئیے تھا جب وہ صرف تیس سال کے تھے اس بات کا برملا اظہار برطانیہ کے موقر اخبار " دی ٹائمز " نے 1956ء میں " لی اور یانگ " کو نوبل پرائز ملنے کی خبر پر کیا تھا ۔

آئن اسٹائن کی دوسری شادی اس کی کزن Elsa Ainstein کے ساتھ ہوئی تھی جبکہ سلام کی پہلی شادی اپنی کزن محترمہ امتہ الحفیظ کے ساتھ ہوئی تھی آئن اسٹائن نے جرمن شہریت ترک کر کے 1940ء میں امریکن شہریت اختیار کر لی جبکہ سلام نے باوجود مشکلات اور طرح طرح کی رکاوٹوں کے پاکستانی شہریت کو ہمیشہ حرزجاں بنائے رکھا ابھی بھی پاکستانی پاسپورٹ پر سفر کرنے میں وہ فخر محسوس کرتے ہیں نیوٹن کی پیدائش 25 دسمبر آئن سٹائن کی 14 مارچ کو اور سلام کی 29 جنوری کو ہوئی ۔ آئن اسٹائن کے پیدائشی شہر الم Ulm جرمنی میں ایک سڑک کا نام آئن سٹائن اسٹریٹ ہے ۔

نیوٹن اور آئن سٹائن کو ادب سے کوئی خاص شغف نہ تھا ۔ مگر پروفیسر سلام کو ادب سے خاص لگاؤ ہے ۔ ان کا پہلا ادبی مضمون لاہور کے رسالہ " راوی " میں شائع ہوا تھا ۔ درج ذیل شعر ان کا محبوب ترین شعر ہے ۔

کئی بار اس کی خاطر ذرے ذرے کا جگر چیرا
مگر یہ چشم حیراں جس کی حیرانی نہیں جاتی

(فیض)

عبدالسلام ۔ یعنی امن کا بندہ کو 30 سے زاہد یونیورسٹیوں سے اعزازی ڈگریاں دی گئیں ہیں ۔

صدر پاکستان ضیاء الحق کا ڈاکٹر عبدالسلام کو خراج تحسین

ڈاکٹر عبدالسلام کو 1979ء میں نوبل پرائز ملنے کے بعد پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے پاکستان کا اعلیٰ سویلین ایوارڈ " نشان امتیاز راولپنڈی کے ایوان صدر میں پیش کرتے ہوئے کہا

" پروفیسر عبدالسلام پاکستان کی سر زمین کی پیداوار ہیں اور نوبل پرائز کی صورت میں ملنے والا اعزاز ملک کے لئے باعث فخر ہے ۔ "

اڑھائی صفحہ پر مشتمل توصیف نامہ Cabinet Secretary جناب ظہور آذر نے پڑھ کر سنایا جس میں کہا گیا کہ

" کائنات کی بنیادی قوتیں کشش ثقل الیکٹرومیگنزم ویک فورس اور اسٹرانگ نیوکلر فورس سمجھی جاتی تھیں پروفیسر سلام نے ویک اور اسٹرانگ فورس کو مربوط کرنے میں کامیابی حاصل کر لی اس طرح کائنات کو مربوط کرنے کی چار بنیادی قوتوں کے نظریہ کو کم کر کے تین کر دیا پروفیسر عبد السلام نے نیوٹرل کرنٹ فناما کے بارہ میں 1964ء میں پیش گوئی کرنے کا اعزاز حاصل کیا جسے 9 سال بعد 1973ء میں دریافت کیا گیا ۔ "

بیس کے قریب اعلیٰ ترین ملکی و قومی ایوارڈوں سے ان کو نوازا گیا ہے ان کو بیس کے قریب دنیا کی مشہور ترین یونیورسٹیوں کی فیلوشپ حاصل ہے ۔ ڈاکٹر سلام صبح پانچ بجے نماز ادا کرنے کے بعد اپنا کام شروع کرتے ہیں اور رات کو جلد سو جاتے ہیں ۔ ان کے لئے فزکس عبادت کی حیثیت رکھتی ہے ایک بار سلام نے ایک اخباری نمائندہ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا ۔

" I get my pleasure from thinking problems of physics.
It gives me the biggest relaxation."

سلام کے والد کی سوانح عمری میں سلام کے اخلاق حسنہ ان کے والد نے یوں بیان کئے ہیں ۔

" خداتعالیٰ کی صفات اور قرآنی فلاسفی پر تدبر کرتا ہے آنحضرت ؐ کے ساتھ والہانہ عقیدت تھی دینی کتب کا مطالعہ کرتا والدین اور بزرگوں کی پوری فرمانبرداری کرتا ذرا غلطی ہو جاتی تو جھٹ معافی مانگ لیتا استادوں اور اقرباء کی عزت کا خیال رکھتا ہر شخص سے نرمی سے گفتگو کرتا بازار سے سودا سلف میں بڑی احتیاط کرتا ۔ غریبوں کی مدد کرتا اپنی اشیاء اور کتابوں کو احتیاط سے رکھتا اور صاف ستھرا رکھتا نماز کی پوری احتیاط سے ادائیگی کرتا اور مسجد کو صاف رکھتا ۔ آوارہ سوسائٹی سے اجتناب کرتا گھر سے مطالعہ کر کے جاتا اول بنچ پر بیٹھتا پوری توجہ سے استاد کا ایک ایک لفظ سنتا گھر آ کر دہراتا کتابوں کا مطالعہ بہت گہری نظر سے کرتا ۔ لائبریری کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتا سب سے بڑی خوبی اس میں یہ تھی کہ کام مسلسل کرتا اور کبھی ناغہ نہ کرتا ۔ "

(سوانح عمری چودھری محمد حسین ۔ لاہور : صفحہ 48-49)

پروفیسر عبدالسلام کے بارہ میں ایک پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالغنی یوں رقمطراز ہیں ۔

" اسلامی تعلیمات کے زیر اثر سلام نے اپنی ساری توانائیوں اور صلاحیتوں کو پوری انسانیت کے لئے وقف کر دیا ہے ان کا دل بے درو دیوار ہے جس میں ہر محکوم ہر محروم اور مظلوم کے لئے بلا لحاظ رنگ و نسل اور مذہب و ملت بے پایاں درد اور تڑپ ہے ۔ "

سلام ایک نہایت درد مند مذہبی انسان ہیں ارکان اسلام پر ان کا پختہ یقین ہے قرآن کو وہ کلام اللہ جانتے ہیں ۔ نبی کریم ؐ کی سنت مبارکہ کی پیروی میں آپ نے اپنے چہرہ کو داڑھی سے مزین کیا ۔ بے نفس قناعت سادگی مروت اور غم خواری آپ کے مزاج میں یوں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے کہ آپ جیسے یگانہ روزگار انسان دنیا میں بہت کم ہی پیدا ہوتے ہیں ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

سویڈن مراکش اسپین کے بادشاہوں سے آپ کئی بار ملاقات کر چکے ہیں مگر لباس طعام بودو باش میں سادگی سنت رسول اللہ ؐ کے مطابق مثالی ہے ۔

نیوٹن آئن سٹائن اور سلام تینوں اپنے والدین کی پہلی اولاد تھے تینوں کے خاندان اقتصادی لحاظ سے مڈل کلاس سے تعلق رکھتے تھے ۔ اول الذکر دو سائنس دانوں کو اپنے خاندانوں سے زیادہ تعلیمی رہنمائی نہ ملی جبکہ سلام کو ان کے والد ماجد نے پوری پوری تعلیمی رہنمائی مہیا کی ۔ تینوں سائنس دانوں نے اپنے وقت کے بہترین کالجوں اور درس گاہوں میں تعلیم حاصل کی تینوں نہایت زیرک و ہوشیار طالب علم تھے ۔ نیوٹن کو اپنے زمانہ کے قابل ترین ریاضی دان Isaac Barron سے تعلیم میں وافر رہنمائی میسر ہوئی اس کو اپنے ایک نامور ہم عصر Edmund Halley کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ ملا آئن اسٹائن کو اپنے وقت کے بڑے بڑے سائنس دانوں جیسے میکس پلانک اور والٹر ارنسٹ کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ ملا ڈاکٹر سلام کو اپنے وقت کے عظیم المرتبت سائنس دان فریڈ ہوئیل Fred Hoyle جس نے سائنس میں Bigbang Theory کا لفظ اور انقلابی تصور پیش کیا

تھا ، کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ۔

تینوں سائنس دان بچپن سے اچھی صحت سے نوازے گئے تھے ڈاکٹر سلام کو بچپن میں اعلیٰ صحت پر چاندی کا پیالہ بطور انعام ایک عوامی جلسہ میں ڈپٹی کمشنر جھنگ نے دیا تھا تینوں سائنس دانوں کو بچپن میں یا جوانی میں کوئی میڈیکل پرابلم لاحق نہ ہوا تینوں کو شراب سے سخت نفرت تھی تینوں اپنے اپنے مذاہب اور عقیدہ یعنی عیسائیت ۔ یہودیت اور اسلام پر کامل یقین رکھتے تھے تینوں نے نہایت سادہ زندگی گزاری ان کو دنیا کی مادی اشیاء جائیداد اکٹھا کرنے کا ہرگز شوق نہ تھا ۔ نیوٹن نے ساری عمر شادی نہ کی ۔ آئن سٹائن نے دو شادیاں کیں اور دو بچوں کا باپ تھا ۔ جبکہ سلام نے ایک شادی کی اور چار بچوں کے والد ہیں ۔ نیوٹن شکی المزاج تھا جبکہ آئن اسٹائن طنز و مزاح کا دلدادہ تھا سلام طبیعت کے ہشاش بشاش انسان ہیں نیوٹن نے بہت سے مضامین اور مقالے لکھے مگر ان کو شائع کروانے کا شوق نہ تھا ۔ آئن اسٹائن نے 300 کے قریب مضامین اور مقالے لکھے سلام نے 250 کے قریب سائنسی مقالے لکھے جو دنیا کے اعلیٰ سے اعلیٰ رسائل اور جرائد میں شائع ہو کر داد تحسین حاصل کر چکے ہیں تینوں سائنس دانوں کو خدا نے یکسوئی کی قوت سے نوازا تھا ۔ تینوں اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے ۔ تینوں کو لکھنے کی قابلیت سے رشک کی حد تک نوازا گیا تھا ۔

سلام کی تعریف میں مندرجہ ذیل اشعار قابل غور اور تحسین ہیں ۔

اے نگارِ علم و دانش اے محقق اے سلام
اے حکیمِ رازِ جوہر اے حریمِ رنگِ جام

اے مفکر اے مبصر تو بنائے انقلاب
تو کشودی عقدہ ہائے راز پیچیدہ نظام

وصلِ مقناطیس کر دی جوہر کمزور را
می نمائی در جہاں اصل اصولِ نظمِ عام

تُو نگارِ فیضِ نوبل تو بہار اندر بہار
تو مثالِ شعر و نغمہ خود پیام اندر پیام

بقیہ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب از صفحہ ۲۳

بقیہ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب از صفحہ ۲۳

بین الاقوامی اعزاز کا مستحق قرار دیا گیا ہے وہ عقیدۂ توحید سے قریب تر ہے ۔ ابھی تک یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ کائنات میں توانائی کی بنیادی قوتیں چار ہیں ۔ یعنی برق ، مقناطیسی قوت ، نیوکلیائی قوت اور ضعیف نوانی قوت (زیو کلیرفورس) ـــــ ڈاکٹر سلام کی تحقیق کے نتیجہ سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ برق اور مقناطیسی قوت دراصل ایک ہیں ۔ اس طرح بنیادی قوتیں تین رہ گئی ہیں اور ڈاکٹر عبدالسلام کا کہنا ہے کہ یہ چاروں قوتیں حقیقت میں ایک ہیں اور توانائی کا سرچشمہ ایک اور صرف ایک ہے ۔ اسے ثابت کرنے کے لئے مزید تجربات محنت اور تحقیق کی ضرورت ہے ـــــ اور انہیں یہ اُمید ہے کہ انشاء اللہ ـــــ یہ نظریہ ان کی زندگی ہی میں صحیح ثابت ہو سکے گا ۔ (بشکریہ ماہنامہ "رابطہ" مئی ۱۹۸۵ء)

بقیہ صفحہ ۱۹

بقیہ صفحہ ۱۹

thousand of the citizens fighting faithfully by his side. (Vol ix p. 133)

ابو سفیان جو ہر جنگ میں کفار کا سرکردہ لیڈر رہا جب اس موقع پر گرفتار ہوا اور حضورؐ کے سامنے لایا گیا تو آپؐ اس سے بھی بڑی شفقت و رافت سے پیش آئے اور اس کے گھر کو دارالامان قرار دیتے ہوئے اعلان فرمایا کہ من دخل دار ابی سفیان فھو امن یعنی جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اسے بھی امن و سلامتی نصیب ہوگی۔ (مسلم فتح مکہ جلد ۳۔ ص۸۶)

ابو جہل کی دشمنی حضورؐ سے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اس دشمن اسلام کے بیٹے کو اس کی بیوی لا کر حضورؐ کی خدمت میں پیش کرتی ہے تو حضورؐ نہایت فراخدلی اور رحیمانہ انداز میں فرماتے ہیں "مرحبابا لراکب المہاجر" "اے ہجرت کرنے والے تمہارا آنا مبارک ہو"

بقیہ صفحہ ۱۳

بقیہ صفحہ ۱۳

یہ دَور ایسا عظیم دور ہو جائے کہ آسمان کی کہکشاں بن جائیں اور آئندہ نسلیں ان راستوں پر چلیں اور ترقیات کی منازل طے کریں ۔